سرسری تعارف

الحاج اعلیٰ حضرت سیدی پیر غوثی شاہ صاحبؒ

مصنف	:	حضرت سیدی پیر غوثی شاہؒ
ولادت	:	شنبہ ۱۶/ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ یکم جولائی ۱۸۹۳ء ۲۴/امرداد ۱۳۰۲ف
مقام پیدائش	:	محلہ بیگم بازار حیدرآباد دکن
وفات	:	۴ شوال ۱۳۷۳ء شب یکشنبہ م ۶ جون ۱۹۵۴ء م ۶/امرداد ۱۳۶۳ف بمقام چنچل گوڑہ
مزار	:	مسجد کریم اللہ شاہؒ واقع بیگم بازار، حیدرآباد
والد ماجد	:	حضرت کریم اللہ شاہؒ نقشبندی متوفی ۷ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۴/مئی ۱۹۱۳ء سہ شنبہ
اساتذہ	:	مولانا حمید اللہؒ و مولانا انعام اللہؒ
تعلیم	:	فقہ، حدیث اور تفسیر کی تحصیل فرمائی، عربی، فارسی اور اردو ادب میں مہارت حاصل تھی فن خطاطی سے واقف تھے، صاحبِ طرز ادیب اور بے لاگ نقاد تھے خطابت و وعظ گوئی میں مقبول عام و خاص تھے، مثنوی پڑھنے کا انداز والہانہ، دل آویز اور وجد آفریں ہوتا تھا، ابن عربیؒ اور مثنوی رومیؒ کی شرح پر عالمانہ تجر و عبور تھا، شاعری کا ذوق بچپن ہی سے تھا، عنفوان شباب میں داغ دہلوی مرحوم کو ادبی محفلوں میں اکثر شریک رہے اپنی چند غزلیں بھی مرحوم کو سنائیں جو کلام عشقیہ کے تحت اس کتاب میں درج ہیں۔
شیخ طریقت	:	اپنے والد ماجد (الحاج حضرت سید کریم اللہ شاہؒ) سے بیعت و خلافت حاصل کی جو حضرت شاہ اشرف علی صاحبؒ حیدرآبادی کے خلیفہ تھے، نسبت اُویسیہ میں حضرت شیخ اکبرؒ سے اکتساب فیض فرمایا اور بعدہ، دکن کے مشہور صوفی بزرگ حضرت سیدی کمال اللہ شاہؒ المعروف بہ مچھلی والے شاہؒ سے تمام سلاسل میں ایک ہی نشست میں بیعت اور ساتھ ہی خلافت و اجازت بھی حاصل فرمائی۔
حلقہ متوسلین	:	ہندوستان اور پاکستان کے مختلف شہروں کے علاوہ بعض ممالک اسلامیہ وغیرہ

فرزند و جانشین : الحاج سیدی مولانا صحوی شاہ صاحبؒ سجادہ نشین سلسلہ غوثیہ کمالیہ، جنھیں بہ قیام گاہ ''بیت النور'' (سابق) الحاج حضرت سیدی غوثی شاہ صاحب قبلہؒ نے اپنے وصال سے چار ماہ قبل بتاریخ ۱۰ جنوری ۱۹۵۴ء بروز یکشنبہ شب میں خصوصی اعلان کے ذریعہ جلسہ عام میں جس میں وابستگان و معتقدین کے علاوہ علماء و معززین کی کثیر تعداد مدعو تھی۔ بہ مناسبت تقریب ابتداء میں کم و بیش پون گھنٹہ تقریر فرما کر آپ کو جانشین نامزد فرمایا۔

نبیرہ حضرت غوثی شاہؒ : حضرت سیدی پیر صحوی شاہؒ نے ۱۹۷۴ء میں ہی اپنے فرزند محامد افتخار ساجد المعروف غوثوی شاہ صاحب کو (بحوالہ ایک خط) تمام سلاسل قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، طبقاتیہ، اکبریہ، اویسیہ میں داخل کیا (مرید کیا) اور پھر حج بیت اللہ سے آنے کے بعد ۱۹۷۵ء میں اپنے والد حضرت سیدی غوثی شاہ صاحبؒ کے تاج (کلاہ چار (۴) ترک) سر پر رکھا اور حضرت سیدی مچھلی والے شاہ صاحب قبلہؒ کی دامنی گلے میں ڈال کر خلافت صحویہ غوثیہ کمالیہ سے سرفراز کیا اور اپنے والد کی سنت کے تحت اپنے انتقال سے چار ماہ قبل بموقعہ ۹ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء اپنے مکان بیت النور (چنچل گوڑہ) میں بعد اختتام جلسہ عید میلاد النبیؐ عید الاعیاد اپنے ۲۴ (چوبیس) سالہ فرزند جو مرید اور خلیفہ بھی تھے پھر ایک بار اپنے والد حضرت غوثی شاہؒ کے چوگوشی تاج کو مولانا غوثوی شاہ کے سر پر رکھ کر اور حضرت مچھلی والے شاہؒ کے دامنی مبارک کو گلے میں ڈال کر مولانا غوثوی شاہ کو اپنا جانشین نامزد کیا اور آپ اپنے والد حضرت سیدی صحوی شاہ صاحب کی مسند رُشد و ہدایت پر آج ۲۲ سال سے فائز ہیں اور سالانہ تین اعراس کے رسوم کی ادائیگی بھی بخوبی انجام دیتے آرہے ہیں اور کچھ کم ۴۱ کتابوں کے مصنف اور بہترین مقرر بھی ہیں اور آپ (مولانا غوثوی شاہ) کی صورت و شبہات اپنے دادا حضرت غوثی شاہ قبلہؒ سے بہت ملتی جلتی ہے۔

وہی نقشہ ہے وہی صورت ہے ساماں ہے وہی
یہ جو صورت ہے تیری صورت جاناں ہے وہی

(ادارہ)

۹۲_۷۸٦

لَا اِلٰهَ اِلا الله مُحَمّد رّسُولُ الله

وَيُحَقِ الحَق بِكَلِمَاتِهِ

اور اللہ حق کے ساتھ اپنے کلمات کو ثابت کرتا ہے۔

کنز العرفان ابوالایقان مبلغِ اسلام واحسان شیخ الشیوخ مجدد العصر اللسان الحق شیخ اکبر ثانی شیخ الھند الحاج اعلیٰ حضرت سیدی غوثی شاہ صاحب قبلہ قدس اللہ سرہ کے ہدایت

آفرین مکالمات بنام

مکالماتِ غوثیؒ

کون ہے غوثی سا یوں ہوں گے بہت
ہاں میں اک مرد کامل ہے یہی

حق اشاعت محفوظ

اخذ و ترتیب

(نبیرہ اعلیٰ حضرت سیدی غوثی شاہؒ)

مولانا غوثوی شاہ

(خلف خلیفہ و جانشین شیخ الاسلام الحاج حضرت سیدی پیر صحوی شاہ علیہ الرحمہ)

اشاعت اول پہلی بار۔ بموقعہ عرس حضرت سیدی غوثی شاہ بتاریخ ۴ر شوال المکرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰ر دسمبر ۲۰۰۱ء

باہتمام: مولانا شاہ محمد مشتاق احمد المعروف الہ نما شاہ قادری الچشتی
خلیفہ حضرت شاہ سعد اللہؒ المعروف کمالی شاہؒ

ناشر: ادارہ النور "بیت النور" 16-3-845 چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔۲۴

نام کتاب	مکالمات غوثی
مولف	حضرت مولانا شاہ غوثوی شاہ
باراوّل	۴رشوال المکرّم ۱۴۲۲ھ م ۲۰رڈسمبر ۲۰۰۱ء
تعداد اشاعت	۱۰۰۰
نام مطبع	اسماء پرنٹ، روشن مسجد روڈ، شریف کالونی، کراڑ پورہ، اورنگ آباد، فون 312075(0240)
کمپیوٹر کمپوزنگ	ایشین کمپیوٹرس (ساجد کاتب) جونا بازار، اورنگ آباد، فون 363765
کمپیوٹر کمپوزیٹر	ساجد نقوی، شکیل الرحمٰن، نصیر احمد خان
ہدیہ	

به تعاون خیر

مولانا شاہ محمد مشتاق احمد المعروف الہ نما شاہ قادری الچشتی اورنگ آباد

خلیفہ حضرت شاہ سعداللہؒ المعروف کمالی شاہؒ

ناشر ادارہ النور

بیت النور 845-3-16 چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔24

مولانا صفی الدین صدیقی :

مولانا صفی الدین صدیقی رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ ایک جید عالم دین اور صاحب تقویٰ اور صاحب ورع بھی تھے۔ ان سے ایک موقع پر توحید افعالی سے متعلق گفتگو ہوئی جس کے مولانائے موصوف عالم ہی نہیں بلکہ سالک بھی تھے۔ حضرت قبلہ نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ سلوک مقیدہ نقشبندیہ میں لطیفہ قلبی اور مراقبہ قلبی میں ہر سالک کو از روئے ارشاد شیخ طریقت ہر فعل کو فعل حق سمجھ کر مراقب ومشاہد رہنے سے توحید فعلی پیش نظر ہوجاتی ہے اور اس طرح شرک فعلی کا شائبہ بھی باقی نہیں رہتا تو آپ سے اس شبہ کا ازالہ کرنا مقصود ہے کہ افعال خیر میں تو ایک حد تک مرضی الہیہ کے تحت افعال خیر کا صدور جائز ہوسکتا ہے اور اس کو فعل حق بھی کہہ سکتے ہیں لیکن افعال شر جو تحت مشیت الہی واقع ہوتے ہیں۔ مگر تحت مرضی الہیہ نہیں ہوتے۔ انکو فعل اللہ سمجھ کر مشاہد و مراقب رہنا کسی حد تک صحیح ہوسکتا ہے۔

اس سوال پر مولانائے موصوف خاموش یا ساکت رہے۔ انہوں نے صرف یہ کہہ کر اعتراف فرمایا کہ سلوک مقید تصورات کے ذریعہ طے ہوتا ہے لیکن اس میں کشف تو ہوتا ہے لیکن مقامات کا صحیح امتیاز و معیار ہاتھ نہیں آتا لیکن سلوک مطلق علم صحیح اور ارشاد شیخ کامل سے جو حق رس وحق آگاہ ہو طے ہوسکتا ہے اور اس طرح ہر مقام کا صحیح حال اور اس کا امتیاز حاصل ہوسکتا ہے۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ فقیر یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ کو اپنے شیخ سے یہ امتیاز و معیار حاصل ہوا یا کیا؟ اس خصوص میں فقیر یہ کہتا ہے کہ اگر بعض قرآنی **لاقوة الا باللہ** کے ارشاد کو پیش نظر رکھا جائے تو حقیقت میں ہر فعل، فعل حق نظر آئے گا کیونکہ قوت یا قدرت کے بغیر کوئی حرکت یا فعل سرزد ہی نہیں ہوسکتا لہذا خلق فعل یعنی قوت کا پیدا کرنا (جس کو حرکت کہتے ہیں) اس کو فعل حق کہیے اور اس حرکت سے متحرک کا حرکت کا اکتساب کرنا کسب فعل کہلائے گا۔ بس خلق فعل کی نسبت حق کی طرف ہوگی اور کسب فعل کی نسبت مخلوق کی ذاتی قابلیت (خیر وشر) کی جانب ہوگی اور فعل مخلوق کہلائے گا جس پر جزا و سزا کا حکم صادر ہوگا۔ پس

فعل کی حقیقت حرکت کہلائے گی اور اس حرکت کی دو نسبتیں ہوں گی۔(۱) خلق فعل، (۲) کسب فعل، خلق فعل کو فعل حق سے موسوم کریں گے اور کسب فعل کو فعل خلق کہیں گے اور اسی کسب کو جو حقیقت اقتضائے خلق کہلاتا ہے۔ بلا قوت حق کے نمود نہیں ہوسکتی۔ لہذا بندہ قوت نہ رکھنے کے لحاظ سے مجبور کہلائے گا لیکن جب حق تعالی کی طرف سے قدرت کا ظہور ہوگا تو اس میں حرکت و قوت کی صلاحیت پیدا ہوگی اب اس صلاحیت کو اگر امتثال امر الہیہ کے تحت استعمال کیا تو یہ فعل خیر پر مبنی ہوگا اور اس کو اپنے ہوائے نفسی یا اپنے منشائے ذاتی کے تحت برتا تو فعل شر کا اس سے صدور ہوگا۔ خیر کے عمل پر جزا ملے گی اور شر پر سزا کا مستحق ہوگا، لہذا قوت (قدرت) بذاتہ صرف ذات الہیہ کی ہے اور اس لئے **لاقوۃ الا باللہ** کی آیت کلام پاک میں آئی ہے۔ اس قوت کے ظہور کو حرکت (جو فعل کی حقیقت کہلاتی ہے) کہیں گے۔ اسی کو فعل حق سے تعبیر کیجئے اس کی دو نسبتیں ہیں جو خلق فعل و کسب فعل کہلاتی ہیں۔ اسی اعتبار سے کسب کا فعل ظاہر ہوگا اور اسی لئے **لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ** کا امر ناطق ہے اور فعل حق، بالکل فعل خلق سے منزہ ہو کر اپنی شان تنزیہہ کو برقرار رکھے گا اور سزا و جزا کی نسبت مخلوق یا بندہ کی طرف سے منسوب ہوگی اور حق تعالیٰ **الآن کماکان** ہی ہیں۔ **سبحان اللہ عمایصفون** مندرجہ بالا وضاحت کو سن کر مولانائے موصوف مطمئن ہو کر گاہے ماہے برابر خدمت میں تشریف لایا کرتے تھے۔

مولانا ابوالفداء صاحب اور مسئلہ وحدۃ الوجود :

ایک بار کا واقعہ یوں ہے کہ ملا فتح اللہ صاحب سرکردہ بواہیر سلیمانی کے جماعت خانہ میں ایک تقریب میں حضرت قبلہ کو مدعو کیا گیا کیونکہ ملا صاحب موصوف حضرت قبلہ سے خصوصی عقیدت و محبت فرماتے تھے۔ فرقہ بواہیر کی تقاریب ان کے اپنے اپنے جماعت خانوں میں اجتماعی شکل میں ہوا کرتی ہیں وہ اس طرح کے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر جماعت خانہ کے ہال میں اسٹینڈ پر تھال رکھ دیئے جاتے ہیں اور ہر تھال (طباق) کے اطراف چھ یا سات دعوتی

اشخاص باہم ایک ہی طباق میں کھاتے ہیں۔ چنانچہ جس تھال پر حضرت قبلہ تشریف فرما تھے اسی پر حکیم مقصود علی خان (جو بعد میں نواب مقصود جنگ کے لقب سے مشہور ہوئے) مولوی سید محمد بادشاہ حسینی غلام محمد صاحب کشمیری امام مسجد عثمانیہ سلطان بازار جس کو فی زمانہ مسجد سلیم خاتون کہتے ہیں) مولانا ابوالفداء صاحب مدرس، مدرسہ دینیات مسجد عامرہ عابد شاپ (خلیفہ مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی) اور دیگر علماء جن کے نام فی الحال یاد نہیں یہ سب لوگ ایک تھال پر بیٹھے ہوئے ایک ساتھ تناول طعام فرما رہے تھے چنانچہ کھاتے ہوئے مولانا ابوالفداء صاحب (مرحوم) نے بطور چشمک حضرت قبلہ کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کا جناب شاہ صاحب آپ گوشت کھا کر ہڈیاں علیحدہ کیوں پھینک رہے ہیں جبکہ آپ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں تو یہی سمجھ لیجئے کہ گوشت ہڈی سب ایک ہی ہیں۔ اس کو سن کر حضرت قبلہ نے فی البدیہہ مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہڈیاں آپ کے لئے پھینک دی ہیں۔ اس پر مولانا موصوف ذرا برہم ہو کر فرمانے لگے اگر آپ وحدۃ الوجود کے بڑے علمبردار ہیں تو قرآن سے مسئلہ وحدۃ الوجود کا ثابت فرمائیے۔ تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ قرآن کی ہر آیت سے وحدۃ الوجود کا ثبوت ملتا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آیات کا غلط ترجمہ کیا جاتا ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ جیسے علماء کو بھلا قرآنی آیات کا ترجمہ کیا آئے گا۔ اگر کسی آیت کو پیش کیا جائے تو اس کا صحیح ترجمہ پیش کرنے سے آپ جیسے علماء قاصر ہیں اس پر مولانائے موصوف اور بھی برہم ہوئے اور تمسخر کے طور پر ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اچھا آپ ہی فرمائیے کہ کون سی آیت قرآنی کا ترجمہ آپ کو مطلوب ہے تو حضرت مرشدی نے آیت ذیل پیش فرمائی۔

سنریهم آیتنافی الآفاق وَفِی اَنفُسِهُم حتّی یتبینَ لَهم انّهٗ الحق

اور فرمایا براہ کرم اس کا ترجمہ فرمائیے۔ چنانچہ مولانا نے باین الفاظ ترجمہ فرمایا ”ہم جلد اپنی نشانیاں آفاق اور ان کی ذاتوں میں دکھلائیں گے یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل

جائے گا کہ وہی قرآن حق ہے'' اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ سیاق وسباق کی عبارت اعتبار سے قرآن کا حق ہے کا ترجمہ آیت مذکور میں کہیں نہیں آیا ہے۔ یہ تو آپ نے تاویل کی ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ پھر تو کوئی تفسیر دیکھنی پڑے گی۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اب آپ اعتراف کر لیجئے کہ ہم (علماء) کو ترجمہ کرنا نہیں آتا بلکہ ترجمہ کرنے میں ہم بھی تفسیر کے محتاج رہتے ہیں۔ اس پر انہوں نے حضرت قبلہ سے اس کا ترجمہ پوچھا۔ حضرت قبلہ نے تحت الفظ بلا تاویل کے ترجمہ فرماتے ہوئے ''**حتی یتبین لھم انہ الحق**'' کا ترجمہ یوں فرمایا کہ ''یہاں تک کہ ان پر صاف کھل جائے گا کہ آفاق وانفس میں سوائے حق کے کسی اور کا جلوہ نہیں ہے۔''

اس پر مولانائے موصوف بہت برہم ہوئے اور کہا کہ مفسرین نے تو اس کا اس طرح سے تفسیر وترجمہ نہیں کیا ہے۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ ہر تفسیر میں بھی اسی کے مطابق ترجمہ انشاءاللہ پایا جائے گا۔ وہ ہنسنے لگے تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ مولانا آپ ہنسئے مت آپ کو تو رونا پڑے گا۔ اسی کے ساتھ حضرت قبلہ نے سب ساتھیوں اور دیگر حضرات کو مخاطب فرما کر پکارا کہ آپ سب حضرات کھانا کھانے کے بعد اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں اور جو مباحثہ زیر بحث ہے اس کو سماعت فرمائیں۔

آخر کار حضرت قبلہ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ میں سے جو حضرات بھی تفسیر لانا چاہیں لا سکتے ہیں۔ اس سے میں نے جو ترجمہ کیا ہے اس کا مفہوم ہی مترشح ہوگا۔ چنانچہ ملا فتح اللہ صاحب کے کتب خانے سے ''تفسیر معالم التنزیل'' لائی گئی اور اسے ایک صاحب نے اسی آیت کے ترجمہ وتفسیر کی ضمن میں پڑھنا شروع کیا لیکن جہاں ''**انہ الحق**'' کا ترجمہ کیا جاتا تو اس میں وہی قرآن حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ ہے قیامت حق ہے، عذاب قبر حق ہے۔ خیر وشر حق ہے کو تو پڑھ دیتے اور وہی حق، حق ہے، کے فقرہ کو نہ پڑھ کر گریز کر جاتے اور اس کو نہ پڑھتے۔ اسی طرح کئی لوگوں نے آخری فقرہ کو نہ پڑھا تو حضرت قبلہ نے

فرمایا کہ حضرات آپ یہودیت کا مسلک چھوڑ کر اسلامی مسلک کیوں نہیں اپناتے اور صحیح عبارت کیوں نہیں پڑھتے۔اس پر مولانا حیرت کشمیری نے جو اس صحبت میں موجود تھے۔انہوں نے بھی تفسیر مذکور کو لے کر پڑھا اور انہوں نے بلا کسی معنی کے ترک کئے ہوئے آخر تک عبارت پڑھ ڈالی۔یعنی''انه الحق '' کا ترجمہ وہی (اللہ) حق ہے کا جملہ پڑھ ڈالا آخر میں حضرت قبلہ نے ان سبھوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے یہودیت کے طریقے کو برتنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اور صحیح عبارت نہ پڑھ کر ایک طرح سے تحریف وتبدیل کا ارتکاب کیا ہے جو ایمانی نقطہ نظر سے یہ بہت بڑا گنا ہے اور مغائر دین متین ہے۔

لہذا آخر کار آپ جیسے تمام علماء کو اعتراف کر لینا چاہئے کہ آپ لوگ نہ تو قرآن کا صحیح ترجمہ ہی کر سکتے ہیں اور نہ تفسیر ہی صحیح بیان کر سکتے ہیں اور تفاسیر کو اپنی مرضی پر ڈھال لیتے ہیں اب رہ گیا مسئلہ وحدۃ الوجود تو اس کو نہ صرف مندرجہ بالا آیت سے ہی ثابت کر سکتا ہوں بلکہ فی البدیہہ جو آیت پڑھی جائے یا آیت پیش کی جائے اسی سے یہ فقیر اس مسئلہ کا استخراج وثبوت پیش کر سکتا ہے اس پر ایک صاحب فرمانے لگے کہ پھر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس غوثی شاہ صاحب ہی ہیں اور کوئی ان کا مدمقابل ہے ہی نہیں۔اس پر فوراً نواب مقصود جنگ بول اٹھے کہ بھلا اس میں کسی کو شک ہی کیا ہو سکتا ہے اس واقعہ سے تمام علماء ومشائخین اور اہل علم حضرات جو اس صحبت میں موجود تھے۔حضرت قبلہ کی شخصیت اور علمیت کا لوہا مان لیا اور جن جن لوگوں سے ان حضرات کی گفتگو ہوئی وہ بھی معترف ہو گئے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود اور توحید حقیقی کا اگر کوئی جامعیت کے ساتھ بیان کرنے والا فی زمانہ موجود ہے تو وہ حضرت غوثی شاہ صاحب کی ذات والا صفات ہے۔

نواب مقصود جنگ بہادر:

خود ایک عالم تھے وہ جب کبھی حضور کے پاس تشریف لاتے تو ہمہ تن گوش رہ کر خاموشی سے ہر ارشاد کو سنتے اور کبھی کبھی ہفتہ واری اجتماع جس میں حلقہ ذکر وسماع بھی ہوا کرتا

تھا حاضر ہوتے۔ ان ہفتہ واری اجتماع میں دوسرے وابستگان سلسلہ کو حضرت قبلہ ترتیباً تقاریر کرواتے تا کہ وہ تیار ہو کر اچھے مقرر بن جائیں چنانچہ مولانا غلام دستگیر رشید صاحب، مولانا نوری شاہ صاحب، شاہ محمد خان صاحب مرحوم، مولانا ناصر علیشاء صاحب پروفیسر معاشیات، مولوی سید ضمیر احمد شاہ صاحب، حضرت سعد اللہ شاہ صاحب مرحوم، حضرت شاہ محمد عبدالرشید صاحب غوثی، حضرت سجادہ نشین مولانا صحوی شاہ صاحب قبلہ مرحوم اور دیگر حضرات وغیرہ کو بھی تقاریر کرنے کا حکم فرماتے اور اگر نواب مقصود جنگ بھی موجود ہوتے تو ان سے تقریر کرنے کے لئے فرماتے تو وہ جواباً عرض کرتے کہ میں سننے کے لئے حاضر ہوا ہوں مگر بولنے کیلئے نہیں آیا۔

تقاریر کے بعد حضور ان تقاریر پر تبصرۂ تقریر فرماتے اور بعد تقاریر بارگاہ رسالت میں استادہ ہو کر سلام پیش کیا جاتا۔ پھر اس کے بعد محفل سماع منعقد ہوتی۔ نواب مقصود جنگ کی موجودگی میں ان سے فرماتے کہ آپ جیسے علماء دین سماع کو حرام قرار دیتے ہیں تو وہ جواباً کہتے، اگر سچ پوچھتے ہیں تو سماع بجز غوثی شاہ صاحب کے دوسری جگہ سننا حرام ہے (واضح باد کہ نواب صاحب موصوف کہیں ہو سماع کبھی نہیں سنتے تھے)

مسئلہ مثل نبی اور قادیانی مبلغین:

میسور اور بنگلور کے دورے کے زمانے میں قادیانیوں کے چند مبلغین خدمت میں حاضر ہوئے اور مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی۔ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو مثل نبی اور بروز کا مصداق بتاتے ہوئے حجت پیش کی اور دلیل میں حسب ذیل حدیث پڑھ دی

اَلْعُلَماَءُ اُمتِی کَا نبیاءِ اِسرَائیل چنانچہ آپ نے اس کا اس طرح رد کیا کہ اگر امت محمدیؐ کے علماء بنی اسرائیل کے مانند اور مثل ہیں تو میں بھی مثل نبی ہوں لہٰذا مجھ پر ایمان لاؤ۔ اگر بروز کا دعویٰ ہے تو میں بھی بروز کا حاصل ہوں، میری تصدیق کرو، وہ اس جواب کو سن کر بیحد خفیف ولاجواب ہو گئے۔

گیارہویں شریف اور ایک وہابی یا غیر مقلد سے مکالمہ: اسی طرح ایک وہابی

(غیر مقلد) شخص نے آپ سے بنگلور کے دورے کے وقت سوال کیا کہ آپ بارہا اپنی تقاریر میں اس کا اظہار فرما چکے ہیں کہ ہر مسئلہ کو کتاب وسنت سے مستنبط کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ذرا گیارہویں شریف کو تو قرآن سے ثابت کیجئے جس کا نہ تو قرآن میں لفظاً تذکرہ ہے نہ حدیث میں۔ بلکہ قرآن میں تو اس کا نام ونشان بھی پایا نہیں جاتا۔ پس اس صورت میں یہ فعل حرام ''بدعت سئیہ'' ہے۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر گیارہویں کا لفظی ثبوت چاہتے ہو تو سورۂ یوسف میں ''اَحَدَ عَشَرًا'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی گیارہ کے ہیں چنانچہ اَحَدَ عشرۃ کا لفظ خود اللہ تعالی نے اپنے کلام پاک میں استعمال فرمایا ہے لہذا لفظی طور پر گیارہ سے گیارہویں کا استخراج کیا گیا ہے۔ اب یہ سوال باقی رہے گا کہ اس کا حدیث سے کیا ثبوت مل سکتا ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ ایصال ثواب کا جواز احادیث نبویؐ سے ثابت ہے اور خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ امر ثابت ہے چنانچہ حضرت سیدنا غوث الاعظم دستگیر کے ایصال ثواب کے سلسلہ میں جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے تو اس کو قوم مروجہ اصطلاح میں گیارہویں شریف کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس طرح ایصال ثواب کا جواز قرآن حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور جس کی اصل کتاب وسنت میں پائی جاتی ہے وہ بدعت سیئہ ہرگز نہیں ہوسکتی بلکہ بدت حسنہ ہوگی جو کہ سنت ہی کہلائے گی اور سنت کی پابندی میں محبوبیت کا درجہ ملتا ہے اور اس کو بدعت سئیہ کہنے والا جس بدعت کا مرتکب ہوتا ہے اس کو منع کرنے والا ''مَنَّاعٌ لِلْخَیر'' کا مصداق بنتا ہے۔ جو قطعاً حرام وناجائز ہے۔ اس بیان کو سن کر وہ بہت خفیف ہوا، اور خود تائب ہوکر آپ کے دست حق پرست پر بیعت بھی کی۔

کلمہ طیبہ پر ایک آریہ سماج منتری سے بحث

ایک بار کا ذکر ہے کہ حضرت قبلہ بنگلور کے تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں تشریف فرما تھے، ایک آریہ سماجی منتری (مبلغ) ملنے آیا سلسلہ کلام میں اس نے اعتراض کیا کہ اسلام کا دعوتی کلمہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحمّدُ الرّسول الله ہے اس کا تو قرآن کی کسی آیت میں اکیجا ہونا نہیں پایا جاتا۔ پھر مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ ان کی ہر دینی بات قرآن سے ثابت کی جاتی ہے لہذا قرآن میں کلمہ طیبہ اپنی اصلی ہیئت میں نہیں آیا ہے تو آپ لوگوں کا بنیادی طور پر دعوت اسلامی میں اس کلمہ کو پیش فرمانا کتاب آسمانی کے مطابق نہیں پایا جاتا اور اس طرح آپ کے دین کی اساس ہی کھوکھلی ہو جاتی ہے۔

حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آپ نے جن دو حیثیتوں سے اعتراض کیا ان دونوں حیثیتوں سے قرآن ہی سے اس کا ثبوت ملتا ہے قرآن میں **لا اله الا الله** کا جملہ (پارہ ۱۲ سورہ ابراہیم) میں **فَاعْلَمْ اَنّهُ لَآ اِلٰهَ الَّا اللهُ** کے الفاظ میں وارد ہوا ہے اور چونکہ یہ کلمہ بذریعہ ذات رسالتمآب جن کا نام نامی اسم گرامی محمد الرسول اللہ کے نام سے موسوم ہے لہذا اس کے پیش کرنے والے کے نام کو مع لقب کے ماننا ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر ایمان کا حصول اور اس کی تصدیق ہونا ناممکن ہوگا اب رہ گئی یہ بات کہ دونوں اجزائے کلمہ طیبہ کا ایک ہو جانے کا اعتبار تو وہ اس مندرجہ ذیل آیت سے ثابت ہو جاتا ہے

وَمَنْ لَّمْ يُؤمِنَ بِاللهِ وَرَسولِهِ ط فَاِنَا اعْتَدْنَا لِلكَفِرِيْنَ سعيراً

(ترجمہ: اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول (محمدؐ) پر ایمان نہیں لاتا بس ایسے کافروں کے لئے عذاب سعیر تیار ہے۔ آیت مذکورہ میں رسول کا مصداق خود محمدؐ رسول اللہ کی ذات مبارک ہے علاوہ ازیں جس طرح کلمہ طیبہ کا جز اول **لا اله الا الله** قرآن پاک میں آیا اس کا دوسرا جز محمد الرسول اللہ بھی قرآن پاک میں حسب ذیل آیت میں بحثہ آیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **محمد الرّسولُ الله وَالّذِينَ معهٗ اَشِدّاءُ عَلَى الْكُفّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُم** پس کلمہ طیبہ کے دونوں اجزاء کا لفظی ثبوت بھی قرآن میں علیحدہ علیحدہ قرآن سے ثابت ہے اور جامع طور پر دوسری آیت مذکورہ بالا

وَمَنْ لمْ يُومِنْ باالله و رسول ...... الخ

سے ثابت ہے چنانچہ جب اس نے یہ بیان سنا تو بہت متحیر ہو کر کہنے لگا میں نے اس خصوص میں بڑے بڑے علمائے اسلام کے سامنے اس سوال کو پیش کیا لیکن انہوں نے مجھے کوئی معقول جواب دے کر مطمئن نہیں کیا اور میرے اعتراض کو رفع کرنے سے قاصر رہے اس لئے میں نے عزم کر لیا تھا کہ اس عنوان پر ایک کتاب ہی لکھ کر شائع کروں اور اس طرح اسلام کے بنیادی اصول پر کاری ضرب لگاؤں لیکن آپ کا میں مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے اس زحمت و نقصان سے نجات دلا دی اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ تم دنیا کے عارضی نقصان کا کیا ذکر کرتے ہو تمھیں تو ابدی نقصان اور زحمت سے نجات حاصل کرنی چاہئے جس کا مرنے کے بعد ابد الآباد تک تعلق رہے گا اور بجائے اس کے اسلام پر ضرب کاری لگائیں اپنے نفس پر ضرب کاری کیوں نہیں لگاتے تاکہ ابدی آرام و خسران سے نجات و چھٹکارا پا جائیں اور ابدی راحت و عیش کے مقام میں جس کو جنت کہتے ہیں داخل ہو جاؤ۔ اُس پر اس نے پھر کسی دوسرے موقعہ پر ملنے کا وعدہ کیا لیکن پھر پلٹ کر واپس نہیں آیا۔

مذہب کی ضرورت اور ایک انسپکٹر کسٹم :

ایک مرتبہ بلہاری کے دورہ پر حضرت قبلہ بنگلور ایکسپریس کے سکنڈ کلاس میں سفر فرما رہے تھے اتفاق سے اسی کمپارٹمنٹ میں ایک صاحب جو اس دور حکومت میں امین کروڑ گیری Custom Inspector تھے آپ کے ساتھ ہی ریل میں سوار ہوئے چونکہ وہ سوٹ میں ملبوس تھے لہذا نہایت متمردانہ انداز میں حضرت قبلہ کی طرف سے اس طرح منہ پھرا کر بیٹھے ہوئے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ مذہبی آدمیوں سے وہ سخت متنفر ہیں۔ تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی، آخرش حضرت قبلہ نے مہر سکوت توڑ کر فرمایا کہ جناب کا اسم شریف کیا ہے تو صاحب اسی متمردانہ انداز میں سوکھا جواب دیا کہ مجھ کو ''آغا'' کہتے ہیں۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ الحمد للہ آپ مسلمان ہیں۔ اس پر صاحب موصوف برہم ہو کر فرمانے لگے کہ میں مذہب کی تفریق عبث اور فضول سمجھتا ہوں کیونکہ مذہب مانع ترقی ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا

کہ آخر وہ کس طرح؟ تو انہوں نے کہا مذہب کی پابندی اور قیود ہم کو دنیاوی ترقی اور بہبود سے محروم کردیتے ہیں اور مذہب کی قیدوبند سے آزادرہ کر ہم من مانے طور پر ترقی کے مدارج طے کرسکتے ہیں یا نہیں تو جدوجہد کرکے ہر طریقہ سے دنیوی ترقی کے وسائل وذرائع پیدا کرسکتے ہیں اس پر حضرت نے فرمایا کہ بھلا یہ تو بتلایئے آپ کس محکمہ میں اور کس گورنمنٹ میں کس عہدہ پر ماموراور کارگذار ہیں تو انہوں نے کہا سررشتہ کروڑگیری کے عہدہ پر ماموروکارگذار ہوں اور خاص شہر حیدرآباد میرا مستقر ہے۔

فی الحال دورہ پر جارہا ہوں اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آپ شہنشاہ جارج پنجم (جو اس زمانہ میں بقید حیات تھے) قیصر ہند ہیں اور حضور نظام میر عثمان علی خان والی مملکت نظام حیدرآباد اور سر یمین السلطنت مہاراجہ کشن پرشاد صاحب بہادر (جو اس وقت ریاست حیدرآباد کے وزیر اعظم تھے) نیز مسٹر بھروچہ جو اس وقت ناظم کروڑگیری سے تو بخوبی واقف ہوں گے۔تو انہوں نے کہا بھلا ان سے واقف کیوں نہ ہوں گا ۔ یہ سب تو موجودہ دورہ حکومت کے زبردست مہرے ہیں پھر حضرت قبلہ نے مزید سوال کیا کہ آپ غالباً اس سے بخوبی واقف ہوں گے کہ شہنشاہ جارج پنجم عیسائی مذہب کے اور حضور نظام مذہب اسلام کے اور مہاراجہ کشن پرشاد ہندومذہب کے اور مسٹر بھروچہ پارسی مذہب کے ماننے والے ہیں۔پس اگر مذہب مانع ترقی ہوتا تو یہ لوگ ان عہدوں کے اہل ہی نہیں ہوسکتے تھے لیکن معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ ان حضرات کی ترقی ومدارج میں کوئی مذہب مانع نہیں ہوا ہے۔

اگر بغرض محال آپ کے بیان کردہ نظریہ کو مان بھی لیا جائے اور مذہب کو مانع ترقی مان کر ترک کردیا جائے تو سب سے پہلے تو آپ کو کچھ نہیں تو شہنشاہ جارج پنجم کے مساوی درجہ پر ترقی ہونی چاہئے تھی ۔اگر ایسا ناممکن ہے تو کم از کم حضور نظام کے مساوی مرتبہ پر ترقی کرنی چاہئے تھے ۔یہ بھی اگر محال ہے تو مہاراجہ کشن پرشاد کے جیسے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونا تو مشکل نہیں تھا اور آخر درجہ میں کم از کم ناظم کروڑگری کے گزیٹڈ عہدہ پر پہنچ جانا چاہئے تھا مگر افسوس صد

افسوس کے آپ مذہب سے رد گردانی کر کے اپنے عہدہ اور مقام سے ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکےاور خسرِ الدنیا والاخرۃ کے مستوذب ہو گئے ۔ یہ سن کر امین صاحب موصوف سیدھے ہو کر باادب ہو کر بیٹھ گئے اور بے حد خفیف اور متاثر ہو کر انہوں نے کسی آئندہ موقع پر بلدہ میں حاضر ہونے کا وعدہ فرمایا کیونکہ اگلے اسٹیشن پر انھیں اترنا تھا۔

مسئلہ سماع اور مولانا احمد شیر خان صاحب پیش امام مسجد نلگنڈہ :

بزمانہ دورۂ تبلیغی نلگنڈہ وہاں کی جامع مسجد کے پیش امام مولانا احمد شیر خان صاحب جو فارغ التحصیل دارالعلوم دیوبند اور مولانا مہر علی شاہ صاحب کے خلیفہ مجاز بھی تھے انہوں نے سماع کی نسبت اعتراض کرتے ہوئے پوچھا کہ بھلا سماع کیوں کر جائز ہوسکتا ہے۔ حضرت قبلہ نے کتاب وسنت کے حوالے کے بجائے فی البدیہہ معقولی طور پر ارشاد فرمایا کہ جی ہاں جناب والا سماع حرامی کے لئے حرام ہے لیکن حلالی کے لئے حلال ہے ۔ اس پر مولوی صاحب موصوف کسی قدر کبیدہ خاطر ہو گئے ۔ حضرت قبلہ مولانائے موصوف کے تیور تاڑ گئے اور فرمایا کہ آپ میرے اس قول کے کوئی دوسرے معنی پر محمول نہ کریں بلکہ ایسا کہنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جو اس سماع کو حرام و بدعت سمجھتا ہے اس کے لئے بیشک حرام ہے اور جو حلال اور مباح سمجھتا ہے اس کے لئے حلال بھی ہے۔

احادیث نبوی سے بھی یہی ثابت ہے جس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے ورود کے موقع پر کنواری لڑکیوں سے دف پر نعت ومنقبت سماعت فرمائی۔ **کلعت بدر علینا من....** اسی طرح ایک عالم متبع سنت نبوی کو بھی کنواری لڑکیوں سے نعت ومنقبت سننی چاہئے اگر کوئی اہل سنت اس خصوص میں ایسا عمل نہیں کرتا تو گویا وہ اس سنت سے گریز کرتا ہے ۔ اب ترک سنت اور خلاف سنت عمل کرنے کا فیصلہ اہل علم اور دیندار حضرت ہی خود فرما سکتے ہیں لہذا اگر صوفیاء اکرام سماع سنتے ہیں تو اس میں سنت کی اتباع مقصود ہے اور ان کا یہ فعل جواز کی

حیثیت رکھتا ہے اب رہ گیا سماع کے حرام اور نا جائز کس محل پر اور کس لئے کیا گیا ہے تو یہ مقولہ پیش نظر رکھنا چاہئے (جو حضرت امام غزالیؒ کا قول ہے) **السماع حلال لا ھله** یعنی سماع اس کی اہلیت رکھنے والے کیلئے حلال ہے اگر سماع میں عشق محبت خدا یا معارف وتوحید الہیہ کے مضامین گائے جائیں تو یہ بھلا کیونکر نا جائز ہوسکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب کا یہ قول کہ ''تم اہل سماع پر اعتراض مت کرو بلکہ اس سے احتراز کرو، کیونکہ یا تو وہ مغلوب الحال ہوتے ہیں یا کسی علمی اجتہاد کی بناء پر اس پر عمل کرتے ہیں۔'' اب رہ گئی یہ بحث کے سماع مزامیر کے ساتھ سننا چاہئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب جہاد میں نقارہ کا بجایا جانا جائز ہے بلکہ جہاد کے دوران میں نقارہ کی آواز جس قدر زور کی ہوگی اور جتنی دور تک پہنچ سکے اتنی دور تک شیطان بھاگ جاتا ہے تو سماع میں طبلہ یا دف جو نقارہ کی مانند ایک رخی باجہ ہوتا ہے اس کی آواز سے کیونکر شیطان راہ فرار اختیار نہ کرے گا۔ مزامیر میں ستار، سارنگی، قانو نچہ وغیرہ جو تار والے باجے ہیں وہ حرام ہیں۔ طبلہ، دف، نفیری سرود، ہارمونیم، مباح اور جائز ہیں۔

علاوہ ازیں جب کسی شادی یا خوشی کے موقع پر گانا بجانا جائز ہے جیسا کہ احادیث سے ثبوت ملتا ہے تو سب سے بڑی خوشی حاصل حق کی صوفی کو ہوا کرتی ہے جس کے لئے گانا بجانا مزید جائز ہوسکتا ہے۔ قبل ظہور اسلام گانا بجانا مزامیر کے ساتھ بطور لہو ولعب اور تعیش کے نقطہ نظر سے ہوا کرتا تھا جس کو ایام جاہلیت میں حظ نفس کے لئے سنا کرتے تھے لہذا ایام جاہلیت کی جہاں اور چیزیں نا جائز وحرام قرار دی گئیں ہیں وہاں فقہاء نے گانے بجانے کو ممنوع قرار دیا ہے محض اس خیال کو پیش نظر رکھ کر کہ کہیں لوگ اس میں پڑھ کر دین کی طرف سے غفلت و لا پروائی نہ کرنے لگیں لہذا بہ تقاضائے احتیاط آئمہ مجتہدین نے ایسے سماع کو نا جائز ٹھہرایا لیکن اس کا اطلاق صرف عوام پر ہوتا ہے نہ کہ اکابر اولیاء اور مشائخین عظام پر۔ چنانچہ بعض اہل اللہ اور بزرگان دین نے سماع کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار میں یوں اظہار فرمایا ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ

شرزدا کہ شور طرب دوسرا ہست　　　اگر آدمی را بنا شد خراست حضرت جامی
منع سماع و نغمہ و نے میکند فقیہ　　　بیچارہ پے نبرد یہ سرتحت و فیہ

حضرت مولانا روم فرماتے ہیں کہ جب مظراب پر ہاتھ پڑتا ہے تو مجھے بہشت کے دروازوں کے کھلنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں

چیست میدانی صدائے جنگ عود　　　انت ربی انت حسبی یاودود

ایک دوسرے بزرگ رباعی کی شکل میں ارشاد فرماتے ہیں

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست　　　از کجا می آید ایں آواز دوست
نے زتارو نے زچوب نے زپوست　　　خود بخود می آید ایں آواز دوست

بہرحال یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آلات مزامیر مقصود نہیں ہیں۔صرف مضامین وکلام مقصود ہے جس سے قلب وروح میں حب وعشق خدا اور سول کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ نے اپنے ایک مرید سے جو حج وزیارت حرمین و شرفین کے ارادہ سے سفر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا فرمایا کہ جب تم دربار رسالت میں حاضر ہونا تو میرا اسلام عرض کرنا۔چنانچہ جب وہ مرید حج کے بعد مدینہ طیبہ روضہ اقدسؐ پر حاضر ہوا تو اپنے شیخ کی جانب سے سلام پیش کردیا جس کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم واقعہ میں ان الفاظ میں جواب عطا فرمایا

''اجی میری طرف سے اپنی بدعتی پیر کو سلام کہنا''

چنانچہ جب وہ مرید بعد فراغت حج وزیارت حرمین وشریفین حضرت عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوا اور مندرجہ بالا الفاظ کو بجنس دھرادیا اس کے سنتے ہی حضرت

گنگوہیؒ پر رقت طاری ہوگئی اور زبان بے اختیار حسب ذیل شعر جاری ہوا، اور ایک کیف طاری رہا۔

بدم گفتی و خورسندم عفاک نگو گفتی   جواب تلخ می زبید لب لعل شکر خارا

اس واقعہ سے یہ سبق اخذ ہوتا ہے کہ بدعتی کا فعل و عمل بھی غلبہ عشق و محبت میں اللہ و رسول کے پاس مقبول و محمود ہوتا ہے۔

اہل اللہ اور محققین کے پاس حسب ذیل شرائط کے ساتھ سماع کو مشروط رکھا ہے

شیخ سماع[1]۔ زماں[2]۔ مکان[3]۔ اخوان[4]

۱) شیخ سماع :

اس پایہ کا ہونا جو مجاز بیعت و خلافت ہو اور اپنی ہمت و توجہ سے محفل کو قابو میں رکھے۔

۲) زماں :

کی شرط یہ ہے کہ کوئی ایسا وقت نہ ہو جس میں غلبہ حال کے باعث نماز قضاء یا فوت ہو جانے کا احتمال و اندیشہ ہو۔

۳) مکان :

مقام ایسا ہو کہ جہاں عامتہ الناس کی آمد و رفت نہ ہو سکے کیونکہ عوام کالانعام کے مصداق ہیں۔ ممکن ہے کہ جہل و نادانی سے کسی اہل سماع کے وجد و حال کو دیکھ کر اس پر چشمک یا استہزاء نہ کر بیٹھیں اور اس طرح ارتکاب معصیت ہو کر رجعت کا ہدف نہ بن جائیں۔

٤) اخوان :

سب لوگ کم از کم مسلک طریقت میں ایک ہی رنگ کے ہونے چاہئیں جو آپس میں کسی قسم کا اختلاف یا اجتناب نہ رکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا تقریر بعنوان سماع سن کر مولانا احمد شیر خان صاحب نے سکوت اختیار فرمایا اور ان کو مزید اعتراض و استفسار کی ضرورت لاحق نہ ہوئی اور کبھی کبھی حضرت قبلہ کی خدمت میں

نہایت ادب واحترام وخلوص کے ساتھ حاضر ہوتے۔

اصطلاحات تصوف اور مولانا صبغت اللہ صاحب بختیاری :

مولانا بختیاری صاحب شیخ التفسیر مدرسہ العربیہ عمرآباد (مدراس) (مشہور کارکن جماعت اسلامی مدراس) بھی ایک بار حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اصطلاحات تصوف کی نسبت اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرات صوفیاء کرام نے تصوف کے اصطلاحات کی ایک بدعت گڑھ لی ہے۔ اگر یہ بدعت نہیں ہے تو آپ ہی کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا جواز ثابت فرمائیے۔

چنانچہ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ اصطلاحات تصوف کو بدعت ٹھہرانا تو ایک طرف رہا، ذرا دین کی اساس یعنی کلمہ طیبہ کے نفی اور اثبات کی نسبت تصفیہ کرلینا چاہئے کہ آیا یہ بھی صحیح ہے یا نہیں۔ پھر اس کے بعد کلمہ شہادت کی اصطلاح گلے پڑتی ہے یعنی اول کلمہ طیبہ، دوم کلمہ شہادت وغیرہ کی اصطلاح ان کا ارتفاع کیونکر ہوسکتا ہے۔ پھر نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ سے قبل **انّی وَجهتُ وَجهی للّذی فطرت السموات والارض حنیفا وَمَا انا من المشرکین** کہتے ہوئے اسی آیت میں 'وجہ' کی ایک اصطلاح آئی ہے اس کا مصداق کیا ہے اور تاوقتیکہ اس کو نہ جانیں کہ کس کی طرف رخ یا چہرہ کیا جارہا ہے۔ ہمارا اس طرح متوجہ ہونا فعل عبث ہوگا اور پھر نماز کی ابتداء کا جب یہ حال ہے تو پوری نماز کا کیا پوچھنا؟ اگر ''وجہ'' سے تم اپنا چہرہ مراد لیں تو یہ کفر ہوگا۔ اگر ''وجہ'' سے وجہ اللہ مراد لیں تو وہ پیش نظر نہیں۔ پھر بھلا اس اشتباہ کا ازالہ ہو تو کیونکر اور کیسے؟

اسی طرح کلمہ شہادت کا اعادہ اذاں اور اقامت میں کیا جاتا ہے اور شہادت یعنی گواہی رویت کی معتبر ہوتی ہے عدم رویت کی گواہی غیر معتبر ہوگی۔ اسی طرح **اِنّی وَجهتُ وَجهی** میں **اِنّی** کا مصداق کون ہے؟ اور اس اصطلاح کا کیا مفہوم ہوسکتا ہے؟ آپ جب نماز پڑھنے سے قبل ان کلمات کو دہراتے ہیں تو اس کا مصداق کس کو ٹھہراتے ہیں اور **اِنّی وَجهتُ وَجهی**

کہہ کر کیا اعتبار پیش نظر رکھتے ہیں تو مولانا موصوف حیران و ششدر رہ گئے اور بولے کہ میں ایک عامی شخص کے مانند ان الفاظ کو دہراتا ہوں۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ عامی شخص عوام سے ہوتا ہے اور عوام کلانام کے مصداق ہیں مگر آپ تو ماشاء اللہ دین میں خصوصی درجہ رکھتے ہیں نہ صرف عالم دین بلکہ شیخ التفسیر ہیں آپ کا شمار تو عوام میں نہیں ہوسکتا بلکہ آپ کا علم و عمل تو عامۃ المسلمین کے علم و عمل کے مقابلے میں زیادہ فوقیت اور خصوصیت رکھتا ہے پھر عبادت کا کمال تو یہ ہے کہ حدیث احسان کی رو سے

اَنۡ تَعۡبُدُ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ

کا حکم ہے۔ بھلا اس کمال عبادت کو آپ نے کس حد تک حاصل فرمایا ہے اگر یہ کمال آپ نے حاصل نہیں فرمایا ہے تو اس کے حاصل کرنے کے لئے اب تک آپ نے کیا کوشش فرمائی ہے۔ غرض آپ کو اس فن کے اصطلاحات سے واقف ہونا پڑے گا چنانچہ محققین کے پاس ہی حدیث احسان بناء فن تصوف و اصطلاحات تصوف ہے۔ علاوہ ازیں جب آپ عقائد و احکام میں فقہ، عبادت ایمان و اعمال ضابطہ میں مختلف اصطلاحات مثلاً کفر و شرک و نفاق و ارتداد، بدعت فسق و فجور، نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ کے تفصیلی اصطلاحات اور ان کے مسائل و متعلقات (فروعات) کو آپ جائز رکھتے ہیں تو کیا یہ لازمی نہیں کہ دین کے ساتھ نعمت جس کو قرآن نے حکمت سے تعبیر کیا ہے اور اس شعبہ میں اسرار و رموز کو شامل کیا گیا ہے ان کو بھی رائج اور بیان کرنے کے لئے اصطلاحات کیوں ضروری نہیں ہیں؟ بلکہ اس کو بدعت قرار دینا خود ایک بدعت ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں

اصطلاحیت مرا بدال را   زان نمی باشد خبر عقال را

اب آیئے قرآنی اصطلاحات پر بھی ایک اجمالی نظر ڈالیں تو **وجہ الہ، ید اللہ ساق اللہ** وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ تو ان الفاظ پر تاوقتیکہ وقوف حاصل نہ ہو یہ الفاظ لاینحل رہیں گے۔ چنانچہ مفسرین کرام نے ان مندرجہ بالا الفاظ کو من تفسیر کی ضمن میں قرآنی

اصطلاحات کے نام سے موسوم کیا اوران کے مفہوم اور تعبیر کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح محدثین کرام نے فن حدیث کے اصطلاحات کو واضح و رائج فرمایا ہے مثلاً حدیث معروف یا متواتر، مشہور، حسن، احاد، غریب، ضعیف موضوع بلکہ ان کی تفصیل وتوضیح بھی فرمائی ہے۔ پس جب قرآن و حدیث و فقہ کے لحاظ سے اصطلاحات کا جواز ہوسکتا ہے تو بھلا فن تصوف کے لئے اصطلاحات جواسرار ورموز اور حقائق دین میں جن کو قرآن میں

وَمَنْ یوتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوتِی خیراً کثیرا

کی حیثیت سے واضح فرمایا گیا ہے۔ اور اسی بنیاد پر تفقہ فی الدین کے معیار کو پیش نظر رکھتے ہوئے محققین وصوفیائے کرام نے اگر اصطلاحات تصوف بھی مدون فرمایا ہے تو یہ کام بدعت کیونکر ہوسکتا ہے اگر آپ جیسے علماء اس کو بدعت قرار دیتے ہیں تو یہ بدعت حسنہ ہوگی نہ کہ بدعت سئیہ۔ بلکہ یہ تو کتاب وسنت اجماع کے مطابق قیاس کے معیار پر پوری اتر سکتی ہے جو عین سنت ہوگی اس ساری بحث اور بیان کو مولانا بختیاری صاحب نے سماعت فرما کر سکوت اختیار کیا اور تھوڑے دنوں کے بعد جماعت اسلامی سے خارج ہوکر اپنے ایک خاندانی مشائخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے اور اب تک مولانائے موصوف سے جب کبھی ملاقات ہوتی ہے تو حضرت مرشدی ومولائی کی عظمت وشخصیت کا اعتراف کرتے ہوئے ہمیشہ ذکر خیر ہی فرماتے رہتے ہیں۔

ایک اہل قرآن:

بنگلور میں ایک بار فرقہ اہل قرآن کے ایک صاحب نے ملاقات کے دوران بحث و تکرار اس طرح شروع کی کہ میں قرآن کے سوا حدیث کو قطعاً نہیں مانتا کیونکہ انھیں احادیث کی بناء پر اسلام میں بیسیوں فرقے پیدا ہو گئے اور اس طرح دین میں تفرقہ اندازی اور فرقہ بندی پیدا ہوگئی ہے۔ لہذا دین کو صرف قرآن سے ہی سیکھنا چاہئے اس کو سوا سب کچھ عبث ہے۔ اس پر حضرت قبلہ نے ان سے فرمایا کہ کلام اللہ میں سے اگر کچھ یاد ہے تو تلاوت فرمائیے۔ تو انہوں

نے فوری جواب دیا کہ میں تو حافظ کلام اللہ بھی ہوں اور یہ کہہ کر کلام اللہ کی چند آیات تلاوت کیں۔اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ یہ تو کلام اللہ نہیں بلکہ قرآن ہے۔اس پر انہوں نے کہا قرآن ہی تو کلام اللہ اور یہ آیات اسی کی ہیں جو میں نے تلاوت کیں،اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اگر یہ کلام اللہ ہے تو اس کی دلیل قرآن سے ہی پیش فرمائیے کہ **ھذا کلام اللہ** تو انہوں نے فرمایا کہ **ذَالِكَ الکتاب لاریب فیہ** کو دلیلاً پیش کیا کہ یہی کتاب ہے اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اس سے تو ثابت ہورہا ہے کہ یہ قرآن ایک کتاب ہے پھر انہوں نے **تنزیل مِن رب العالمین** اور **ھذا لقرآن** کو دلیل پیش کیا تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اس سے تو یہ ظاہر ہورہا ہے یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور یہ قرآن ہے۔اس سے کہاں مترشح ہورہا ہے کہ یہ کلام اللہ ہے۔ناچار ہوکر انہوں نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قرآن کلام اللہ ہے،اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اس سے تو یہ ثابت ہوا ہے کہ آپ حدیث شریف کے قائل ہیں۔

اگر آپ اس پر بھی انکار ہی پر اڑے رہیں کہ میں حدیث کو نہیں مانتا تو قرآن کا کلام اللہ ثابت ہونا بھی محال ہوجائے گا اور جب تک آپ کلام اللہ کے قائل ہی نہ ہوں گے تو بھلا آپ کی ہدایت کا کونسا ذریعہ ہاتھ آئے گا اور اس کے ازالہ کے لئے اب تو حدیث کا قائل ہونا ہی پڑے گا اور قرآن سے آپ دین کے عقائد واحکام کا تفصیلی علم بغیر احادیث نبویؐ کے استفادہ کرسکتے ہیں اور پھر جب آپ کو دین کی تفصیلات ہی معلوم نہ ہوں گے تو بھلا ایمان وعمل صالح کے مسائل سے واقفیت کس طرح حاصل ہوسکے گی اور نجات و درجات آخرت وحیات بعد الموت کے لئے کیا زاد آخرت کا سامان مہیا ہوسکے گا۔اس گفتگو سے وہ صاحب بالکل خاموش اور خفیف ہوگئے۔

مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی اور استوی علی العرش کا مسئلہ :

ماہ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ میں مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی کے مواعظ کا غلغلہ بہت زوروں پر تھا اسی زمانہ میں مولانائے موصوف مولوی عبدالباسط صاحب مرحوم صوبیدار کے یہاں کے ایک تقریب میں مدعو ہوئے تھے۔ دوران گفتگو حضرت مرشدی کے مواعظ کا بھی ان کے سامنے تذکرہ ہوا اور یہ بھی بیان کیا کہ حضرت پیر غوثی شاہ صاحب تو خدا کے دیکھنے (مشاہدے) اور پانے (یعنی یافت) کی دعوت دیتے ہیں تو بھلا ان کی یہ دعوت کیونکر درست ہوسکتی ہے۔ اسی کے دوسرے دن محلّہ موسی باولی نزد حسینی علم کے وعظ میں مولانا نے فرمایا کہ اللہ تعالی تو عرش پر ہے بلکہ عرش سے بھی وراء الوراء ہے بھلا اس کے دیکھنے اور پانے کا ذکر ہی کیا، چنانچہ حضرت قبلہ کو بھی اس واعظ کی رپورٹ پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی اگر عرش سے وراء الوراء ہے تو اس کو ہماری باتوں کے سننے میں بڑی وقت ہوتی ہوگی۔

حالانکہ وہ تو **وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِی** کے جواب میں ''فانی قریب'' کہہ کر اپنے قریب ہونے کا علم دیتا ہے اور پھر مزید براں **اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ** کا وعدہ فرماتے ہیں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانائے موصوف ''ورائیت'' کے غلو میں ارشاد باری اللہ کی نفی کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں اس کے بعد حضرت قبلہ نے حضار مجلس سے ارشاد فرمایا کہ عموماً تحقیق کے باعث عوام تو عوام ہیں خواص علماء تک بھی چکر کھا جاتے ہیں محقق ہر محکمات کو تسلیم کرتے ہوئے متشابہات میں مطابقت دینے کی کوشش کرتا ہے اور اس حصوص میں نفسانیت اور تاویلات کو دخل نہیں دیتا۔ پھر فرمایا کہ دور رہ کر تنزیہہ کرنے والا بے ادب اور گستاخ ہوتا ہے لیکن نزدیک رہ کر تنزیہہ کرنے والا کمال ادب کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے جیسا کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

اَلْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی وَالرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّل

مکالمہ سگ آستاں پر ایک عالم دین سے :

کسی بات کے دوران آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو سگِ آستانِ رسالت ہوں۔ یہ سن کر وہ عالم صاحب جھنجھلا کر کہنے لگے کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں کہ انسان کو حیوان بنادیا اور حیوان بھی ایسا کہ نجس العین یعنی کتا۔ بھلا انسان اشرف المخلوقات ہو کر ارذل المخلوقات کیسے ہوسکتا ہے آپ نے اس طرح گویا انسانیت کی انتہائی مذمت اور تذلیل کر ڈالی۔ حضرت قبلہ نے فرمایا جناب مولانائے محترم کیا آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی کی شخصیت کو بھی کچھ اہمیت دیتے ہیں جنہوں نے اپنے ایک شعر میں یوں اظہار فرمایا ہے

نسبت خود بہ سگت کردم وبس منفعلم زانکہ نسبت بہ سگ کوے تو شد بے ادبی

مولانائے محترم آپ بخوبی واقف ہوں گے کہ استعارہ اور تشبیہ کسی ایک وصف خصوصی کی بناء پر پیش کی جاتی ہے وہ صفت اگر کسی میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہے تو بطور تشبیہ اس کا استعمال کیا جاتا ہے نہ کہ حقیقتاً اس شخص کو تشبیہ کا عین مشابہ بنادیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی بہادر یا جری شخص کو اگر کہہ دیا جائے کہ تو شیر ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہوئے کہ وہ حقیقت میں ایک شیر ہے بلکہ اس میں جرأت وقوت کا جوہر نمایاں طور پر پایا جاتا ہے لہذا اس کو شیر سے مشابہت دے کر تعریف کی گئی پھر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا یہ شعر بھی آپ نے پڑھ کر اظہار نسبت کا مظاہرہ فرمایا

من خاکِ کف پائے سگِ کوئے توہستم دور ھر منعکس خبر در تو ہیچ درے نیست

اسی طرح اگر کسی صالح ونکوکار شخص کو کہہ دیا جائے کہ وہ فرشتہ ہے تو اس کے کہنے سے وہ فرشتہ نہیں ہوجاتا اور نہ ملکیت کا مرتبہ انسانیت کے مقابلے میں فوقیت رکھ سکتا ہے بلکہ جس شخص میں خیر اور صالحیت کی خصوصیت پائی جاتی ہے اس کو عموماً فرشتہ صفت انسان کہہ کر موسوم کرتے ہیں آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ انسان تمام مخلوقات اور کائنات مادی ونوری وناری میں

شرافت کا امتیازی درجہ رکھتا ہے اور اشرف المخلوقات کہلاتا ہے لیکن اللہ و رسول کے مقابلہ میں انکساری و عاجزی ذلت کا مظاہرہ کرنے کے لئے اپنے کو ذرّہ بے مقدار اور ارذل المخلوقات سے تشبیہ دے کر پیش کرتا ہے نہ کہ حقیقتاً وہ ذرہ بے مقدار یا ارذل المخلوقات ہو جاتا ہے بلکہ اس طرح اپنے کو ان دو ذات مقدس کے مقابلہ میں اپنی عبدیت و غلامی کے اعتبار کو کمال ذلت اور عاجزی کی صورت میں پیش کر کے عبدیت و غلامی کے کمال کا ایک طرح سے اظہار کرتا ہے اس لئے کہ ذرّہ کو آفتاب تاباں کے مقابلہ میں چمکنے سے کیا کمال حاصل ہوسکتا ہے بجز اس کے کہ آفتاب کے نور کے مقابلہ میں خود کو سرانگندہ اور ذلیل بن کر پیش کرے اور سرفراز ہو جائے۔

نواب قادر نواز جنگ :

نواب صاحب موصوف حضرت قبلہ کے پیر بھائی بھی ہوتے تھے کیونکہ ان کو بھی شاہ کمال اللہ المعروف مچھلی والے شاہ صاحبؒ سے بیعت و ارادت کا شرف حاصل تھا لیکن پیشی حضور نظام سابع میر عثمان علی خان بہادر کی خدمت کے باعث ان کو اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں حاضری استفاضہ فیضان سلوک کا بہت کم موقع نصیب ہوتا تھا اور صرف کتابی طور پر بطور مطالعہ معلومات تصوف حاصل ہونے کی بناء پر اور کچھ خوشامدی علماء اور مشائخین کی تملق آمیز باتوں سے متاثر ہو کر اپنے کو حقائق آگاہ اور معارف شناس سمجھنے لگے تھے وہ ایک بار دوران گفتگو میں اپنے ہاتھ کو دراز کرتے ہوئے کہنے لگے کہ دیکھئے **تبارك الذی بیده الملك** یعنی بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ملک (اقتدار) ہے اور پھر کہا ہے وہ ہاتھ تو یہی ہاتھ ہے تو حضرت قبلہ نے مسکرا کر فرمایا کہ نواب صاحب ذرا آیت مذکور کو پورا تلاوت فرمائیے کہ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ **وَهُوَ عَلىٰ كُلِّ شَئٍ قَدِيْر** (یعنی وہ ہر شئے پر قدرت رکھتا ہے) بھلا سوچئے تو سہی اگر آپ چند علماء و مشائخین کو یومیہ کرانے کا اقتدار رکھتے ہیں تو اس کے کیا معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے مانند آپ ہر شئے پر قدرت رکھ سکتے ہیں آپ کو توبہ کرنا چاہئے کہ ایسے کفر و الحاد کے کلمات آپ کی زبان پر سرزد ہوئے۔ چنانچہ نواب صاحب فوراً اس سے

تائب ہو گئے۔

مدارس کا تبلیغی دورہ اور مودی سیٹھ :

مدراس کے دورہ میں فقیر بھی حضرت قبلہ کے ہمراہ وہاں گیا تھا چنانچہ وہاں بنگلور کے ایک سر برآوردہ سیٹھ (محی الدین سٹھ) المعروف مودی سیٹھ جو مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری شریف کے مرید تھے انہوں نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک باران کے شیخ نے فرمایا کہ کسی ایک شخص نے حضور انور ﷺ کو مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی صورت میں (جن کا وہ مرید تھا) حضور انور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں کہ قیام سلام بدعت ہے۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ حضور انور ﷺ نے اس کے شیخ رشید احمد صاحب گنگوہی) کی صورت میں اسی اقتضاء کے مطابق کلام فرمایا جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ " **تکلِمو ا الناس علی قدر عقولھم** "لیکن اگر میری صورت میں تشریف فرما ہوتے تو یقیناً قیام وصلوٰۃ کو جائز قرار دیتے۔یوں بھی اکثر مختلف اقوام کے خواب میں حضور انور ﷺ مختلف زبانوں میں ان کی استعدادفہم کے لحاظ سے کلام فرماتے ہیں۔لہٰذا قول فیصل یہی ہے کہ رویا یا کشف والہام جس پر واقع ہوتا ہے وہی اس کے مطابق عمل کرنے پر مکلّف ہوتا ہے۔ دوسروں کے لئے وہ کشف قابل صحت یا متعدی نہیں ہوتا اور نہ دوسرا اس کے کرنے پر مکلّف ہوسکتا ہے۔

حرم شریف اور مولوی رکن الدین صاحب :

حضور نظام سابع کے صاحبزادگان کے اتالیق مولوی رکن الدین صاحب بزمانے حج وزیارت حرمین شریفین حضرت قبلہ کے ساتھ رفیق حج انہوں نے حرم (بیت اللہ) میں سونے پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ حرم میں سونا ناجائز ہے اور حرام بھی۔تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ حرامی کے لئے حرام ہے اور ناجائز ہے لیکن حلالی کو سونا حرم میں جائز ہے۔مولانائے محترم کیا آپ نے ہر طرح کے شرک جلی اور خفی کی نجاست سے پاکی حاصل کرلی ہے تو آپ جواب دیں گے

کہ شرک جلی سے تو الحمد للہ پاک ہو گیا کسی مخلوق یا غیر اللہ کو معبود نہیں سمجھتا لیکن مقصودیت، موجودیت کے شرک خفی اور اخفیٰ کی ناپاکی کی ہنوز باقی ہے لہٰذا جس شخص نے شرک جلی اور خفی وغیرہ سے اپنے آپ کو پاک کر لیا ہے۔ وہ اس پاک حرم میں ہو سکتا ہے ورنہ شرک خفی اور اس کے متعلقات کی نجاست رکھتے ہوئے بھلا اس پاک مقام پر سونا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ میں نے شرک جلی اور خفی سے پاکی حاصل کر لی ہے۔ اس لئے حرم پاک میں مجھے سونا جائز ہے۔ اب آپ اپنے متعلق خود تصفیہ فرما سکتے ہیں کہ آیا آپ کا سونا حلال و جائز ہے یا حرام، زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے۔

مسئلہ انا اور نحن اور بھبود علی شاہ صاحب :

ابتدائی دور میں جبکہ حضرت قبلہ فیضان شیخ اکبر محی الدین ابن عربی سے اویسی نسبت میں مستفیض ہوئے اور باتتثال امر شیخ اکبر کے تعلیمات و فیضان کو برسرِ ممبر حکمت و موعظت حسنہ کے پیرایہ میں بیان کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے اپنے ذاتی صرفہ سے جمع کروا کر بڑے بڑے پوسٹر شہر اور بیرون شہر حیدرآباد اور دراز مقام پر چسپاں کرائے اور اس امر کی دعوت دی کہ جس کسی کو طریقت و حقیقت و معرفت مطابق شریعت محمدی ﷺ تحت کتاب و سنت حاصل کرنا ہو وہ آئے اور اس خصوص میں معلومات حاصل کرے۔ چنانچہ اس خصوص میں محلہ نور خان بازار کے ایک صوفی بزرگ مسمی بھبود علی شاہ صاحب اپنے مریدین اور معتقدین کے ساتھ حضرت قبلہ کے مکان واقع محلہ الاوہ بی بیتیماں پر تشریف لائے اور کھٹکا مارا، تو حضرت مرشدی بہ نفس نفیس باہر تشریف لائے اس وقت جسم مبارک پر ایک معمولی سفید ہرک کی نیم آستین اور سفید تہہ بند اور سر پر گول ٹوپی زیب تن تھی بلا کسی تکلیف کے حضرت قبلہ نے باہر تشریف لا کر دریافت فرمایا کہ فرمائیے کس سے ملنا ہے تو مشائخ صاحب نے حضرت قبلہ کو معمولی آدمی سمجھ کر اور نہ پہچان کر کہا کہ ہم لوگ حضرت پیر غوثی شاہ صاحب سے ملنا چاہتے ہیں کیا حضرت موصوف گھر میں موجود ہیں۔ تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ جی ہاں حضرت صاحب موجود ہیں آپ

فرمایئے کہ آپ ان سے کس غرض کے تحت ملنا چاہتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا جس غرض کے تحت ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں اس کو آپ سے بیان کرنا عبث معلوم ہوتا ہے۔ آپ غوثی شاہ صاحب سے جا کر ہی کہہ دیجئیے۔ اس پر حضرت قبلہ نے کہا حضرت پیر غوثی صاحب سے جو مسئلہ آپ دریافت کرنا چاہتے ہیں تو وہ مجھ سے پوچھ لیجئیے میں انھیں کا ایک غلام ہوں۔ اگر مسئلہ مذکور مجھ سے حل نہ ہو سکے تو پھر اس کے بعد آپ اس کو حضرت موصوف سے حل اور دریافت فرما سکتے ہیں۔

اس پر ان بزرگوار نے فرمایا کہ میاں ابھی آپ ایک نوجوان لڑکے ہیں آپ کو ایسی علمیت کہاں کہ کسی مسئلہ میں حجت تمحیص کر سکیں لیکن پھر بھی جب آپ کا اصرار ہے تو میں ایک سوال پوچھتا ہوں کہ نَحنُ اَقرَ بُ اِلَیہِ مِن حَبْلِ الوَ رِیدِ میں واحد متکلم کے صیغہ کے بجائے جمع متکلم نحنُ (ھم) کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ اسپر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اس کا تعلق حدیث نبوی ﷺ سے ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ **من عرف نفسه فقد عرف ربه** **نفس پر "انا" اور "نحن"** کی ضمیروں کا اطلاق ہوتا ہے۔ لہٰذا معرفت نفس کی ضرورت داعی ہوتی ہے جس کو بالفاظ دیگر خود شناسی کہتے ہیں شاہ کمال کا قول ہے۔

حق شناسی کا گر ہنر ہونا خود شناسی سے بہرہ ور ہونا

اسی لئے اس کو کسی شیخ کامل المعرفت سے حاصل کرنے کی از بس ضرورت داعی ہوتی ہے۔ اسی گفتگو کے دوران (حضرت چچا پیر) مولانا شاہ محمد حسین صاحب قبلہ چشتی القادری (المعروف بہ ناظم عدالت سمستان ونپرتی) تشریف لائے اور انہوں نے جب حضرت بہبود علی شاہ صاحب کو اس طرح گفتگو میں مصروف پایا تو علیک سلیک کے بعد دریافت کیا کہ حضرت آپ یہاں کیسے تشریف لائے تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت پیر غوثی شاہ صاحب قبلہ سے ملاقات کی غرض سے یہاں حاضر ہوا تھا لیکن ابھی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس سے قبل ان کے خادم صاحب سے کچھ مکالمہ شروع ہو گیا تھا کہ اتنے میں آپ تشریف لائے تو شاہ محمد حسین صاحب

نے فرمایا'' اجی جناب حضرت مولانا غوثی شاہ صاحب سے ہی گفتگو فرما رہے ہیں۔ غالباً آپ کو حضرت سے تعارف حاصل نہیں ہوا اس پر حضرت بہبود علیشاہ دم بخود رہ گئے۔ آخر میں حضرت مرشدی نے مہر سکوت توڑ کر فرمایا کہ جس طرح اللہ کے ایک ادنیٰ بندے کو باوجود دیکھنے کے آپ بغیر تعارف کے نہ دیکھ سکے اور نہ پا سکے تو بھلا آپ ہی بتایئے کہ اللہ کو کیونکر اس حِس بصری سے بلا اصول بصیرت جس کو معرفت اور خدا شناسی کہتے ہیں اس کو کیونکہ دیکھ اور پا سکتے ہیں اس لئے حق شناسی کے لئے خود شناسی شرط لازمی ہے کیونکہ انسان کو اول و آخر، ظاہر و باطن اور قریب و اقرب حق تعالیٰ ہی ہیں جیسے حسب ذیل آیات سے مفہوم مترشح ہوتا ہے۔

۱) هولا ولُ والآخر ولظاهِرُوَالباطِنُ وَهُوَبِكُلِ شَئِي عَلِيمُ

۲) وَاِذ سالَكَ عَبادى عنى فانى قريب

۳) وَنَحنُ اَقرَبُ اِليهِ مِن حَبَلِ الوَرِيد

چنانچہ حق شناسی کے لئے سب سے پہلے خود شناسی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے کیونکہ اول و آخر ظاہر و باطن حق ہی حق ہے جہاں خود کا (اپنا) تعارف حاصل ہوا کہ وہیں خدا اور اپنے مولی کا تعارف بھی حاصل ہو جاتا ہے اور اس وقت خود بخود ''نَحنُ'' و ''اَنَا'' کے جمع اور واحد ہونے کا صحیح مفہوم پیش نظر ہو جائے گا۔ جو ہر حیثیت سے مصداق ذات ہوتا ہے کسی غیر اللہ پر جو اسم بامسمےٰ نہیں ہے اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا، صرف حق تعالیٰ جن کا اسم ذات اللہ ہے اور جو قائم بالذات اور موجود بالذات ہو کر اسم بامسمیٰ کہلاتا ہے اس کے سوا کسی دوسرے پر اسم بامسمیٰ کا اطلاق حقیقی طور پر صحیح نہیں ہوسکتا اور ذات اسم بامسمی پر جو واقعی حاضر و ناظر ہے ''نحن'' و ''انا'' کا اطلاق صحیح ہوسکتا ہے۔ اب یہ اپنے اپنے ہمت و حوصلے کی بات ہے کہ طالب مولا طلب حقیقی رکھے۔ اور جو بندہ یا بندہ کا مصداق بنے جو جس کا طالب ہوتا ہے وہی اسی مطلوب کی تلاش و جستجو رکھتا ہے۔

پوچھتا پھرتا ہے مجنوں کو بکو کیا ادھر سے ناقہ لیلیٰ گیا (طیبات غوثی)

ایک ہندو گیانی سے مسئلہ ادویتی اور دویتی پر مکالمہ: میدک کے ایک وکیل صاحب جن کا نام یاد نہیں آتا۔ حضرت قبلہ کے پاس ایک ہندو گیانی کو اپنے ساتھ لائے اور ملاقات کے طالب ہوئے۔ یہ ہندو گیانی اپنے مذہب کے ادویتی مسلک یعنی عینیت محض کے قائل تھے۔ دراصل وکیل صاحب موصوف کا منشاء تھا کہ دیکھیں اس ہندو گیانی سے مسئلہ وحدۃ الوجود میں حضرت قبلہ کس حد تک عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے اس سے سوال کیا مہاراج تم ادویتی ہو یا دویتی؟ تو اس نے جواب دیا میں ادویتی ہوں۔ حضرت قبلہ نے سوال فرمایا کہ بتاؤ آ سنسار میں پاپ زیادہ ہے یا پُن؟ اس نے جواب دیا اس سنسار میں پاپ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ پاپ کون کرتا ہے؟ وہ بولے کہ پاپ ہم انسان ہی کرتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے فرمایا، ادویتی کی بناء پر تو یہ مشہور ہے کہ جو کچھ کرتا ہے وہ سب بھگوان کرتا ہے انسان کچھ بھی نہیں کرتا تمہارے عقیدے کے برخلاف یہ بات تو دویتی (غیریت) کی معلوم ہوتی ہے لہٰذا آج سے تم اپنے کو ادویتی مت کہو اور دویت یعنی غیریت کے قائل ہو جاؤ۔ وہ یہ سن کر بہت خفیف ہو کر اپنے ساتھ وکیل صاحب سے آہستہ سے کہنے لگے کہ یہ صاحب تو مہا اُتم گیانی (عارف تامتہ المعرفت) معلوم ہوتے ہیں۔ اس واقعہ کے تھوڑے دنوں کے بعد وکیل صاحب دوبارہ حضرت قبلہ کی ملاقات کو حاضر ہوئے تو فرمانے لگے کہ اس حضور اس ہندو گیانی کو آپ کے پاس مسلک وحدۃ الوجود کے مقابلہ میں بطور آزمائش لایا تھا لیکن آپ نے کچھ اس طرح اس کو لاجواب کر دیا کہ آپ کا مسلک وحدۃ الوجود ہی خصوصی مقام و مرتبہ کا حامل ہے۔

تجدید بیعت پر مکالمہ مولوی عبدالقیوم صاحب وکیل ہائیکورٹ سے وکیل صاحب موصوف جو سردار بیگ صاحبؒ کے سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے تجدید بیعت کے عنوان پر بحث و گفتگو ہوئی انہوں نے کہا جس طرح ایک عورت کسی ایک مرد کے نکاح میں آ کر کسی دوسرے سے رشتہ مناکحت یا ازدواج قائم نہیں کر سکتی ٹھیک اسی طرح ایک شیخ (پیر) کا مرید

ہوکر دوسرے پیر کا مرید نہیں بن سکتا۔ اس پر حضرت قبلہ نے لطیف پیرایہ میں فرمایا کہ یہ صحیح ہے کہ ایک مرد کے نکاح میں آ کر کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی بلکہ ایسا نکاح قطعی حرام ہوتا ہے۔ اگر اس کے موجودہ شوہر میں وصف رجولیت کامل طور پر نہ پایا جاتا ہے کہ تو کیا یہ شرعی حکم نہیں ہے کہ وہ ایسے شوہر سے خلع لے کر دوسرے مرد سے عقد کر سکتی ہے۔ آپ برامت مانئے۔ محققین و کاملین کے پاس تاوقتیکہ کوئی آدمی خود شناسی وحق شناسی کے جملہ مراتب (جن کا تعلق ذات صفات، افعال و اثار) سے ہے جب تک کامل عرفان حاصل نہ کرے۔

''طالِب المولی مُذکرٌ'' کا مصداق نہیں بنتا۔ آپ کے حضرت شیخ کی بزرگی مسلم ہے لیکن جس سلوک کے وہ حامل تھے اس کو سلوک مقید کہتے ہیں اور سلوک مقید میں تصورات و مراقبات کے مسائل کو کام میں لایا جاتا ہیں جس سے روحانیت کے کمالاتِ خرق عادات و کرامات) تو حاصل ہوجاتے ہیں لیکن مقامات کا امتیاز وشعور ہنوز حل طلب رہ جاتا ہے لیکن اس کے برعکس سلوک مطلق بھی ہے جو علمی اور غیر فانی ارشادات کے ذریعہ سے شیخ کامل (تامتہ المعرفت) طے کراتا ہے اس سے خرق عادت حاصل ہونا نہ ہو مضائقہ نہیں۔ لیکن مقامات کا شعور اور امتیاز حاصل ہو کر نفس مطمئنہ کے درجہ پر فائز ہو سکتے ہیں جس کا مقام جنت الذات ہے ایسا سالک صاحب مقام کہلاتا ہے اسی کو تصوف کی اصطلاح میں انسان کامل کہتے ہیں۔ قرآن اسی مقام کو اس آیت کے ذریعہ واضح فرماتا ہے **یَاَیَّتُھَا النَّفسَ المطمئینۃُ اِرجعِی اِلی رَبّكَ رَاضِیۃً مرضیه فَادْخُلی فِی عَبَادِی وَادْخُلی جَنّتِی** مولانا روم بھی اس مضمون کو حسب ذیل شعر میں ظاہر فرماتے ہیں

ہست بسیار اہل حال از صوفیان　　　نادر است اہل مکاں اندر میاں

لہذا اگر اہل اللہ (انسان کامل) کے زمرہ میں آنا مقصود ہے تو کسی مرد حق آگاہ وحق نما سے وابستگی اور انتساب پیدا کیجئے۔ ورنہ محض تقلیدی و کورانہ عقیدت سے کچھ حاصل نہیں۔

کلمہ طیبہ پر علامہ ابوالاعلی مودودی سے مکالمہ :

بانی جماعت اسلامی نواب نثار جنگ کے ساتھ ایک مرتبہ حضرت قبلہ کی خدمت میں تشریف لائے کچھ مکالمہ رہا۔کلمہ طیبہ کی ضمن میں حضرت قبلہ نے ان سے سوال فرمایا کہ کلمہ طیبہ میں **لا** حرف نفی آیا ہے تو یہ **لا** کس کی نفی کرتا ہے۔علامہ موصوف نے جواباً فرمایا کہ علماء کا قول ہے کہ **لا** نفی جنس **الہ** کرتا ہے۔یعنی **لا** نفی **الہ** باطلہ کرتا ہے اور **الا** کے ذریعہ اللہ ہی **الہ** برحق ہونے کا اثبات ہے۔

حضرت قبلہ نے فرمایا جب **لا** کے ذریعہ حرف نفی جنس **الہ** مقصود ہے تو **الہ** باطلہ کے ساتھ ہی **الہ** برحق کی بھی نفی ہو جاتی ہے لہذا جب دعوتی کلمہ سے ہی الوہیت کی نفی ہو گئی تو پھر اسلام وایمان کا ذکر ہی کیا رہا۔علامہ موصوف نے سکوت اختیار کیا۔کوئی جواب ان سے بن نہ پڑا۔حضرت قبلہ نے اس پر سیر حاصل تقریر فرمائی اور آخر میں فرمایا کہ **لا** سے نفی جنس **الہ** مقصود نہیں ہے بلکہ نفی وصف (الوہیت کے وصف یں توحید اسمی ،توحید فعلی اور توحید وصفی اور توحید ذاتی کے چار اعتبارات کی تفصیل محققین کرام کے پیش نظر رہتی ہے جس کو **لا معبود الا الله ۔ لا** مقصود اله ۔ **لا موجود الا الله لا** مشہود **الا الله** کے تشریح کے تحت تفصیلی بیان آتا ہے اور اسی اعتبار سے الوہیت کے چار اعتبارات (ذات،صفات،افعال اور آثار) کیلئے پانچ راستے ،چار منزل ایک مقام کو مقامات عشرہ کا نام دے کر تشریح بیان کی جاتی ہے۔ اس طرح چار راستے (راہ شریعت ، راہ طریقت ، راہ حقیقت اور راہ معرفت) اور اس کی چار منزلیں ناسوت ،ملکوت ، جبروت ، لاہوت بیان کر سکے۔راہ وحدت کے اسرار و رموز کی تلقین کر کے مقام قرب تک یافت و شہود کے درجہ تک سالک کو پہنچا دیتے ہیں۔حضرت شاہ کمال اللہ مخزن العرفان میں اسی کو اس طرح ایک شعر میں ظاہر فرماتے ہیں

کیتا جو قطع پانچ زبان چار منزلاں آخر مقام قرب اسے مہنتے ہوا

الوہیت غیر اللہ مطلوب ہے۔اس تقریر سے جو تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رہی ،سن کر

علامہ ابوالاعلی مودودی پر رقت طاری ہوگئی اور رونے لگے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ بے شک کلمہ طیبہ کے حقیقی فہم سے موجودہ دور کے علماء (الا ما شاء اللہ) بالکل خالی و عاری ہیں۔ اسی واقعہ کے بعد چند یوم کے اندر مولانا پنجاب تشریف لے گئے تو واپس حیدرآباد نہیں آئے اور تحریک جماعت اسلامی کا آغاز فرمایا۔

نفل روزہ اور چودھری شہاب الدین نقشبندی :

بیگم بازار کے قصابوں کے چودھری حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ سے بیعت و ارادت رکھتے تھے اور ان سے خلافت بھی حاصل کی تھی۔ سلسلہ نقشبندیہ میں پیری مریدی فرماتے تھے۔ چودھری صاحب موصوف نے دوازدہم شریف کے فاتحہ کے سلسلہ میں حضرت مرشدی کو دعوت نامہ بھیجا۔ حضرت قبلہ دعوت میں تشریف لے گئے۔ فقیر راقم الحروف بھی ہمراہ تھا جس وقت دستر خوان بچھایا گیا اور کھانا چنا گیا تو حضرت قبلہ نے میزبان سے کہا آپ بھی تناول فرمایئے تو انہوں نے کہا کہ میں روزہ دار ہوں، حضرت قبلہ نے کہا یہ کونسا محل روزہ رکھنے کا ہے کہ دوسروں کو تو اطعام طعام کی دعوت دے رکھی ہے اور خود صائم ہیں۔ پھر اس روزہ کا شمار تو کسی فرض یا واجب یا سنت سے بھی تو نہیں معلوم ہوتا۔ اگر مستحب ہے تو آپ کا مقرر کردہ ہے۔ اللہ تعالی کی صریحی ارشاد کے مقابلے میں نفس یا قیاس کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی ہے جیسا کہ صریحی ارشاد ہوتا ہے

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زینتہ اللہِ الَّتِی أَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبَاتِ مِنَ الرزق

اس آیت پر حضرت قبلہ نے سیر حاصل تقریر فرما کر آخر میں فرمایا کہ اس قسم کے اعمال کاملین کے پاس عبث کہلاتے ہیں اور فضول اعمال میں تضیع اوقات کے سوا حاصل ہی کیا ہے جیسا کہ مشہور ہے حَسَنات الابرار سَیِّأت المقربین

مسئلہ قرآن اور مولانا ابو محمد مصلح صاحب سے گفتگو :

بانی عالمگیر تحریک قرآنی کو بمقام ناوندگی (بشیر آباد علاقہ پائیگاہ سر آسمانجاہ) مولوی محمد

کبیر خان صاحب سیشن جج پائیگاہ مذکور نے بہ سلسلہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت قبلہ دونوں کو مدعو فرمایا۔ وہیں حضرت مولانائے موصوف سے بوقت ملاقات دریافت فرمایا کہ آپ کیا کام کرتے ہیں انہوں نے بہت ترشروئی سے جواب دیا ''میں صرف قرآن پیش کرتا ہوں'' پھر مولانائے موصوف نے حضرت قبلہ سے سوال کیا آپ کیا کام کرتے ہیں تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ میں تحت کتاب وسنت دین کو پیش کرتا ہوں اور اسی کی تبلیغ واشاعت میرا کام ہے۔

چنانچہ اسی دن بعد مغرب شام میں جامع مسجد بشیر آباد جلسہ میلاد النبی صلی الہ علیہ وسلم منعقد ہوا چونکہ حضرت قبلہ کو اسی شب ذریعہ ٹرین بلدہ روانہ ہونا ضروری تھا اسی وجہ سے قبل از قبل مولوی ولی اللہ حسینی صاحب تعلقدار (کلکٹر) پائیگاہ اور کبیر خان صاحب سیشن جج کے باہمی مشورے سے بوہلہ، اولی حضرت قبلہ کی تقریر کرائی گئی (فقیر راقم الحروف بھی موجود تھا) حضرت قبلہ نے اپنے بیان میں صاف صاف فرمایا کہ جو کوئی واعظ یا مقرر اپنے بیان میں کتاب وسنت کی روشنی میں اظہار خیال کرے اس پر عامتہ المسلمین کو عمل پیرا ہونا چاہئے کیونکہ ہر مسلمان قرآن و حدیث کے احکام کی تعمیل کے لئے مکلّف ہے۔

اس طرح وہ ایمان وعمل میں صراط مستقیم پر قائم رہ سکتا ہے ورنہ اس کے خلاف لغزش اور گمراہی کا امکان ہے اور صراط مستقیم وہ راستہ ہے جس پر اہل انعام (انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین خود بھی چلتے تھے اور دوسروں کو بھی چلنے کی دعوت دیتے تھے۔ محض قرآن اور محض حدیث کو پیش کرکے قوم وملت کی حقیقی رہنمائی نہیں ہوسکتی۔ اس بیان سے مولانا مصلح صاحب کے خیالات پر کچھ اثر مرتب ہوا کہ بعد میں جب وہ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو کوئی مضمون خاطر خواہ بن نہ پڑا۔ تقریر تو ہوئی لیکن عوام کچھ ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ ایک ایک کرکے مجلس وعظ سے کھسکنے لگے بلکہ لوگوں کا اصرار ہوا۔ حضرت پیر غوثی شاہ صاحب پھر مکرر کچھ ارشاد فرمائیں لیکن ٹرین کا وقت قریب تھا۔ حصرت قبلہ اسٹیشن روانہ ہوگئے۔ حضرت قبلہ کے ساتھ مولوی وجہ الدین صاحب وکیل سرکار پائیگاہ بھی بلدہ کی ٹرین میں ایک ہی کمپارٹمنٹ میں ہمسفر

تھے۔انہوں نے دوران سفر اپنے تاثرات کا اظہار یوں فرمایا ''حضرت قبلہ! آپ کا وعظ تو بہت ہی دلچسپ تھا لیکن مولانا کی تقریر دلچسپی سے خالی و عاری تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گوشت تو ہے لیکن بلا نمک مرچ کے'' تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ محقق اور مقلد میں یہی فرق ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں واضح کرنا ضروری ہے کہ اکثر شہر اور مضاف حیدرآباد میں دور و نزدیک جلسہ ہائے میلادالنبی منعقد ہوتے۔

حضرت قبلہ کو بھی مدعو کیا جاتا چنانچہ سب سے پہلے جو سوال داعین سے فرماتے تھے کہ آیا اس جلسہ میں کسی کی صدارت تو نہیں ہے اگر جلسہ میلادالنبی کسی کی زیر سرپرستی اور صدارت منعقد ہوتا تو اس کی دعوت کو رد کر دیتے اور فرماتے کہ جس جلسہ (میلادالنبیؐ) میں خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف فرما ہوتے ہوں وہاں کسی شخص کی صدارت بے معنی ہے۔ میں ایسے جلسوں میں شریک ہونا ناجائز اور حرام سمجھتا ہوں چنانچہ اس قسم کے جلسوں سے آپ اجتناب فرماتے۔ پہلے پہل تو لوگوں کو گماں ہوا کہ شاید حضرت اپنی موجودگی میں کسی کی صدارت گوارا نہیں ہے لیکن جب مندرجہ بالا توجیہہ حضور کی زبانی سنی تو ان کی بدگمانی رفع ہوگئی جب سے بجائے ''زیر صدارت'' کے الفاظ کی ''زیر نگرانی'' و ''زیر سرپرستی'' کا عنوان لکھنا شروع کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ ہر موقع پر شریعت محمدیؐ اور حفظ مراتب کا بطور خاص اہتمام فرماتے اور اپنے خلفاء اور منتسبین کو بھی اس کی تاکید کرتے۔

کامل و غیر کامل پر راس مسعود صاحب سے بات چیت :

جو ریاست حیدرآباد میں بعہدہ ناظم تعلیمات Director of Education مامور کارگذار تھے۔ ان سے ایک ملاقات کے دوران ''کاملین'' اور ''غیر کاملین'' (یعنی ناقصین) کے امتیاز کے سلسلہ میں مولانائے روم کے ایک شعر کو دلیل کے طور پر حضرت نے پیش فرمایا جو حسب ذیل ہے

کار پاکان را قیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نوشتن شیر، شیر

اس شعر کو سن کر راس مسعود صاحب نے (جو مثنوی میں خصوصی درک رکھتے تھے) کہا کہ انگلستان کے پروفیسر نکلسن نے (جو ماہر ادب فارسی کہلاتا ہے) اپنی شرح مثنوی میں شعر مذکورہ بالا میں آخر میں بجائے شیر شیر کے شیر شیر (لہن) کر کے لکھا ہے لیکن آپ نے جو شیر شیر کہہ کر پڑھا تو ایک حد تک مصرعہ اولی کی صحیح ترجمانی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت قبلہ نے فوراً فرمایا

خر عیسی اگر بہ مکہ رود چوں بیائی ہنوز خر باشد

اُس بیچارے کو بھلا حقیقت کی کیا خبر۔ مثنوی مولانا روم کے حقیقی مفہوم و معانی سمجھنے کے لئے تو صاحب مثنوی سے یا نسبت محمدیؐ رکھنے والے شخص سے نسبت وارادت حاصل کئے بغیر صحیح مفہوم کو نہیں پہنچایا جا سکتا۔ چنانچہ مولانا روم نے خود اسی نسبت کی اہمیت کو حسب ذیل شعر میں واضح فرمایا ہے

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزے نہ شد

اسی صحبت اور مکالمے کے بعد اکثر مسٹر راس مسعود صاحب حضرت قبلہ سے حضرت مولانا کے اکثر اشعار کے مفاہیم کے استفادہ کرتے رہے بلکہ جب حضرت قبلہ نے مثنوی مولانا روم کی فارسی شرح بحر العلوم لکھنوی ثم المدراسی کا ترجمہ معہ توضیحات و حاشیہ کے ساتھ "کنز مکتوم" نام سے رسالہ جاری فرمایا جس میں مثنوی مولانا روم کے فارسی اشعار کو اسی وزن اور بحر میں اردو اشعار میں منظوم کر کے ترجمہ فرمایا اور اس کے کئی نمبر شائع بھی ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ خریداروں نے ایڈوانس جمع کرا کر ان کو حاصل بھی کیا تو راست مسعود صاحب نے بھی اس میں حصہ لیا بلکہ حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ اگر آپ اس کے ترجمہ و تالیف کے کام کو مستقل طور پر چلانے آمادہ ہوں تو سرکاری گرانٹ بھی سرکار نظام سے منظور ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دیگر سر برآوردہ حضرت نے جس میں مسٹر حیدری جو بعد میں حیدر نواز جنگ بھی ہو گئے انہوں نے عرض کیا لیکن طبیعت میں استغناء اور توکل تھا اس کام میں غیر اللہ پر بھروسہ و نظر رکھنا مذہب صوفیاء کے مسلک کے لحاظ سے توجہ بغیر حق ہوتا تھا۔ جو شرک خفی کہلاتا ہے اور لہذا آپ اس پر

آمادہ نہیں ہوئے بلکہ مستغنی اور متوکل رہے۔

مثنوی شریف اور نواب حیدر نواز جنگ :

جو پہلے وزیر فائنانس رہے اور بعد میں صدر اعظم حکومت سرکار عالے ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا اور مشورہ بھی پیش فرمایا کہ اگر آپ اس کام کو انجام دیں اور مثنوی کے ساتوں دفتر کی شرح و ترجمہ اردو زبان میں طبع و شائع کریں تو اس کو جامع عثمانیہ اور علی گڑھ یونیورسٹی کے نصاب میں شریک کر کے با قاعدہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کا کام انجام دیا جا سکتا ہے اس طرح فارسی ادب کی بری خدمت ہوگی لیکن حضرت قبلہ کی طبیعت کی افتاد اور متوکلانہ مسلک نے باوجود ان وسائل کے امکان کے بھی قید و بند و نیاوی میں رہنا گوارہ نہ کیا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ فقیر کی نظر اسباب پر نہیں ہوتی بلکہ اس کی نظر مسبب الاسباب پر ہی رہتی ہے وہ جو صورت پیدا فرمائے گا وہی بہر صورت بہتر اور مناسب ہوگی کیونکہ اس کا تو قطعی وعدہ ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

وَمَنْ یَتَوَکَّلْ عَلَی اللهِ فَهُوَ حَسْبُه

مسٹر حیدری نے یہ بھی کہا تھا کہ مثنوی مولانا روم کی شرح بزبان انگریزی پروفیسر نکلسن نے کی ہے۔ اس کے کل جز ساٹھ پونڈ میں اس وقت دستیاب ہوئے تھے اور آپ کی شرح بزبان اردو جو ہوگی اس کا اندازہ لگانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کل جز کی قیمت مشکل سے تقریباً ایک سو روپئے سے زائد نہ ہوگی مگر یہاں تو کیف ہی دوسرا تھا۔ تفویض و توکل کے مقام ہی کو ہر محل میں پیش رکھا جاتا تھا بقول کے

ہجر اچھا ہے نہ ارمان و حال اچھا ہے — یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

عظمت شیخ اور نواب سعید جنگ :

الموسوم بہ ابو سعید مرزا صاحب حضرت قبلہ کے پیر بھائی تھے اور اس زمانہ میں بعہدہ

ناظم اول فوجداری بلدہ عدالت میں ماموروکارگذار تھے ایک بار دفتر جانے سے پہلے حضرت قبلہ سے ملاقات کرنے حاضر ہوئے۔ دوران گفتگو میں عظمت شیخ (پیر) کے عنوان پر بیان فرماتے ہوئے حضرت قبلہ نے فرمایا کہ ہرانسان مظہر الٰہی ہے۔جیسا کہ حضرت نظامی گنجوی فرماتے ہیں

مامقیمان کوئے دلداریم لطف دنیا و دین نمی آریم

کہ بچشماں دل بنیں خبر دوست ہرچہ بینی بدانکہ مظہر اوست

لیکن بایں ہمہ تمام انسانوں میں وہ انسان عظیم المرتبت مظہر ہوسکتا ہے جس سے سرظہور کاراز منکشف ہوتا ہے اسی کوانسان کامل کہتے ہیں اس لئے شیخ طریقت کواپنا ویسا انسان تصور کر کے دیکھنا سوءِ ادبی ہے۔اس کوتو مظہر خدااور رسولؐ کی حیثیت سے پیش نظر رکھنا چاہئے چنانچہ مولانا روم نے اسی جہت سے ارشاد فرمایا ہے

چونکہ ذات پیر را کردی قبول ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسولؐ

اس اعتبار کے شغل سے نہ صرف خدااور رسولؐ کی اطاعت میں اخلاص ہی پیدا ہوگا بلکہ حبِ خدااور رسولؐ بھی پیدا ہوگا۔اس پر مرزا صاحب موصوف اس قدر متاثر ہوئے کہ ٹوپی کوسر سے اتار کر فرش پر پٹک دی اور کہنے لگے کہ حضرت آپ نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا جو اس حقیقت کا انکشاف فرمایا۔بے شک میں نے آج تک اپنے شیخ کواس نظر سے نہیں دیکھا اور بہت دیر تک اس کے تلمذ و ادراک کا لطف اٹھاتے رہے۔

مسئلہ وحدۃ الوجود پر نلگنڈہ کے ایک مصنف صاحب سے مکالمہ :

جناب عبدالرحیم صاحب جو ولایت کے تعلیم یافتہ اوراعلیٰ ڈگری رکھتے تھے اور جنھوں نے فن تصوف کی کئی کتابوں کا کافی مطالعہ کیا تھا لیکن مسئلہ وحدۃ الوجود کو وہ الحاد پر محمول سمجھ کر اس مسلک اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی کتب کے مطالعہ کو عرصہ ہوا کہ سلام کرچکے تھے انہوں نے

ایک جلسہ میں حضرت قبلہ کی ایک غزل کو جس کا مطلع حسب ذیل ہے پیش کرتے ہوئے اس کی توضیح چاہی

لامکان چھپ نہ سکا یار تمہارا ہم سے　　اب تو ہر آن ملا کرتے ہو ہر جا ہم سے
اول و آخر ہو تمہیں ظاہر و باطن ہو تمہیں　　لامکان کہتے ہو کیوں اپنا ٹھکانہ ہم سے

اور پھر مزید یہ بھی سوال اور اعتراض کیا کہ جب اول و آخر، ظاہر و باطن حق یہی ہے جیسا کہ آیت **ھُوَالاَوّلُ والآخر و الظاھرُ و الباطن و ھوبکل شیٍٔ علیم** کو دلیلاً پیش کیا جاتا ہے۔تو بھلا اس کی توضیح سے تو یہ ثابت ہے کہ ہر شئے کا اول و آخر، ظاہر و باطن، جب حق ہی ہے تو شئے نام کو بھی باقی نہیں رہی لہذا بندہ یا خلق عین خدا ہونا لازم آتا ہے۔براہ کرم اس کا صحیح حل بتائے تو حضرت قبلہ نے صرف دو جملوں میں یعنی" بندہ حق نما اور حق بند نما ہے" وضاحت فرمادی۔اگر اس اصول کو عارف باللہ پیش نظر رکھے تو اس میں الحاد کا شائبہ تک باقی نہ رہے گا اس پر منصف صاحب بے حد متاثر ہوئے اور دیر تک ان پر کیف و سرور طاری رہا اور آخرش کہنے لگے کہ آج تک اس اعتبار کو نہ کہیں سنا اور نہ کہیں پڑھا۔حقیقت اور واقعہ تو یہی ہے کہ اس نظریہ سے اتو الحادو زندقہ کا راستہ ہی مسدود ہو جاتا ہے۔اس طرح منصف صاحب موصوف وحدۃ الوجود کے مسلک کے سالکین میں شامل ہو گئے اور اس خوشی میں حضرت قبلہ کی اپنے پاس ایک پر تکلف دعوت بھی فرمائی۔

مسئلہ توکل پر مولانا سید ابراھیم صاحب سے مکالمہ :

جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر شعبہ دینیات اور عربی زبان کے مشہور ادیب مولانا سید ابراہیم صاحب جو عربی ادب کے علاوہ دیگر علوم میں بھی کافی عبور رکھتے تھے ان سے ایک مرتبہ توکل کے مسئلہ پر مباحثہ ہوا، انہوں نے کہا ترک اسباب کا توکل قطعاً ناجائز ہے۔حضرت قبلہ نے جواباً فرمایا کہ ترک نظر اسباب کا توکل تو جائز ہے انہوں نے برہم ہو کر کہا کہ یہ سب تاویلات ہیں۔حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اچھا آیئے ہم اور آپ اس خصوص میں اپنے اپنے

مسلک پر قائم رہتے ہوئے کاروبار خانگی کی سربراہی کی نوعیت سے باہمی تبادلہ کرلیں گے۔ میں آپ کے مسلک کو تو اختیار نہیں کرسکتا بلکہ میں اسی طرح ترک اسباب کے توکل کے ساتھ اس بات کا تیقن بھی دیتا ہوں کہ اس میں ذرا بھی آپ کے متعلقین کو تکلیف نہ ہونے دوں گا لیکن آپ بھی براہ کرم تھوڑے عرصہ کیلئے میرے متعلقین کی پرورش کا ذمہ لیجئے اور جس طرح چاہے آزادی کے ساتھ اسباب کے ساتھ توکل کرتے ہوئے پوری قوت سے سربراہی فرمائیے۔ دیکھیں اس طرح کون ہم میں سے کامیاب رہتا ہے۔ زیادہ نہیں صرف چوبیس گھنٹے ہی درکار ہیں ہم دونوں اپنے اپنے مسلک کے تحت توکل کر کے گذاریں گے اور دیکھیں گے کون اس طرح سچا اور ثابت قدم نکلتا ہے۔ اتنا کہہ کر حضرت قبلہ نے جذبہ میں آکر فرمایا مولانائے محترم آپ کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ اگر آزمائش مقصود ہے تو بسم اللہ ورنہ بیجا گفتگو نہ فرمائیے۔ آپ جیسے ذی علم اور تبحر علمی رکھنے والے کیا اللہ تعالی کے فرمان میں اپنے قیاس کو کام میں لاسکتے ہیں جو صرف یہ فرماتا ہے کہ **وَمَنۡ يَتَوَكَّلۡ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ** واضح باد کہ آیت مذکورہ بالا میں اسباب پر توکل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ بالراست اللہ ہی جو مسبب الاسباب ہے اس پر ہی توکل کرنے کی عمومی دعوت دی گئی ہے اور پھر بھی یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالی ہی ہر طرح سے کافی ہے لیکن وائے برحال شما کہ آپ صرف اسباب پر بھروسہ کررہے ہیں اور انھیں کو کافی سمجھ رہے ہیں۔ لہذا تو بہ فرمائیے اس طرح اللہ تعالی کے فرمان کی خلاف ورزی ہورہی ہے۔ چنانچہ مولانائے موصوف بالکل خاموش اور ساکت ہوگئے اور آئندہ سے اس قسم کے مباحث سے مجتنب رہے۔

مسئلہ عینیت اور غیریت پر صوفی عبدالقادر صاحب واعظ سے مکالمہ:

ایک صحبت میں حضرت صوفی عبدالقادر صاحب واعظ اور حضرت قبلہ سے گفتگو ہوئی۔ انہوں نے اعتراضاً کہا غوثی صاحب آپ نے کیا غضب کیا کہ شاہ کمال اللہ صاحب

(المعروف بہ مچھلی والے شاہ صاحب) سے جو "وجود ایک ذات دو" کے نظریہ کے قائل ہیں ان کے ہاتھ بیعت کرلی۔ باوجود اس کے کہ آپ کو حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ سے فیضان کشفی اور اویسی نسبت حاصل تھی۔ آپ نے یہ ایسا کام کیا ہے معلوم ہوتا ہے گویا حضرت شیخ اکبرؒ نے آپ کو اپنے پاس سے دھتکار دیا ہے۔ حضرت قبلہ نے ان سے سوال فرمایا جناب صوفی صاحب ذرا پہلے ذات کی تعریف تو فرمایئے انہوں نے برہم ہو کر کہا، کیا مجھے لونڈا سمجھتے ہو جو ایسا سوال کرتے ہو۔ حضرت قبلہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا آخر آپ کو ذات کی تعریف کرنے میں کون سا امر مانع ہے۔ جھنجھلا کر کہنے لگے ذات ہی کو وجود کہتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے فرمایا اگر ذات ہی وجود ہے تو وجود کی کیا تعریف ہوسکتی۔ صوفی صاحب کہنے لگے وجود ہی کو ذات کہتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے فرمایا اچھا بتایئے تو سہی کہ ذات کی کتنی قسمیں ہیں انہوں نے کہا ذات میں دوئی ہی نہیں ہے۔ حضرت قبلہ نے دین کی اساس کلمہ طیبہ جو اسلام کا دعوتی کلمہ ہے یعنی لا الہٰ الا اللہ محمدُ الرّسول اللہ کو پیش فرما کر کہا اس میں تو ایک ذات اللہ کی اور دوسری ذات محمد ﷺ کی ہے جو عبد اور رسول ہیں اس سے تو دو ذات کا اثبات ہو رہا ہے وہ بول اٹھے محمد ﷺ ہی تو اللہ ہے تو حضرت قبلہ نے فرمایا جب محمد ہی اللہ ہے تو رسول اللہ کا لقب عبث ہو جاتا ہے۔ صوفی صاحب کہنے لگے یہ غیریت اعتباری ہے ورنہ درحقیقت محمد ﷺ ہی اللہ ہیں۔ اس گفتگو کو دیگر حاضرین اور خود شاہ محمد حسین صاحب ناظم سمستان ونپرتی جو اس صحبت میں تشریف رکھتے تھے۔ سنا اور اس وقت سے ان کی خوش اعتقادی کا پردہ چاک ہو گیا۔ واضح باد کے حضرت محمد حسین صاحب جناب صوفی عبدالقادر صاحب کو مامور من اللہ سمجھتے تھے اس مکالمہ کے بعد سے صوفی صاحب کی شہرت ماند پڑ گئی اور کیوں نہ ہو کہ اتمام حجت کے بادحق، حق ہو جاتا ہے اور باطل، باطل۔ مسئلہ واحدۃ الوجود میں الحاد و زندقہ کا سبب صحیح عقائد کا فقدان ہے۔

پردہ نسواں پر ایک ڈاکٹر ماہر نفسیات سے گفتگو:

بلاری کے دوران سفر میں ایک بار ایک ڈاکٹر پی ایچ ڈی (نفسیات) سے ٹرین میں

سیکنڈ کلاس میں سفر کرتے ہوئے ملاقات ہوئی۔اس نے نفسیاتی نقطہ نظر سے عورتوں کو مذہب اسلام میں پردہ کی قید و بند میں رکھنا ظلم پر محمول کیا اور کہا کہ ہر شخص کو نفسیاتی نقطہ نظر سے آزادی خیال کا حق حاصل ہونا چاہئے اور آزادی عمل کا مجاز گردانا چاہئے نہ کہ آزادی خیال اور آزادئ عمل کے جذبہ کو مجروح کر کے اس ظلم کو رواں رکھا جائے آپ ہی تصفیہ فرمائے کہ یہ ایک گونہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آپ ماہر نفسیات ہے اس وجہ سے زرا میرے اس سوال کا جواب دیجئے کہ آپ کی ماں بیٹی اور بیوی بہن پر اگر کوئی شخص بری نظر ڈالے تو نفسیاتی طور پر آپ کے جذبات پر کیا اثر مرتب ہوگا۔تو ڈاکٹر صاحب نے کہا میری عزت کبھی اس کو برداشت نہ کر سکے گی کے میرے ناموس پر کوئی غیر محروم بری نظر ڈالی حضرت قبلہ نے فرمایا جو چیز اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں کیا نفسیاتی نقطہ نظر سے آپ اس کو دوسروں کے حق میں پسند فرما سکتے ہیں یا ایسی بات دوسروں کے حق میں کیونکر پسندیدہ ہو سکے گی کیا آپ اپنی ماں، بہن، بیٹی، اور بیوی کے ناموس کی بدنظری جائز سمجھ سکتے ہیں۔غالباً اس کا جواب آپ یہی دیں گے کہ ہمارے نقطہ نظر سے یہ نہ صرف ہمارے لئے اور نہ دوسروں کے لئے جائز ہو سکتا ہے۔اس پر ڈاکٹر صاحب موصوف اعتراف کیا اور فرمایا کہ میں تو بدنظری کی نظر سے کبھی کسی عورت کو نہیں دیکھتا اور نہ دوسروں پر بدگمان ہوں۔حضرت قبلہ نے فرمایا آپ جیسے پاکیزہ کردار اور خیالات کے لوگ تو شاذ و نادر ہی ہو گے لیکن عوام کالانعام تو ایسے نہیں ہو سکتے اور اقلیت کے مقابلے میں اکثریت کا پہلو ہمارے معاشرے میں ملحوظ رکھا جاتا ہے اسی لئے مذہب اسلام نے اس پہلو کو بمقتضائے احتیاط ملحوظ وہ لازم گردانا ہے اور اس سے دوسروں کی نظر اور جذبات کی حفاظت مقصود ہے نہ کہ صنف نازک پر قید و بند یا تحدید عائد کرنی مقصود ہے اور پھر پردہ کے سلسلہ میں نا صرف صورت کو چھپانا ہی مطلوب ہے بلکہ آواز، لہجہ اور مستعملہ زیور کی جھنکار تک کا خیال رکھا گیا ہے کہ سننے والے کے جذبات کو کہیں نفس امارہ برائی کی جانب نہ لی جائے اس

بیان سے ڈاکٹر صاحب موصوف بہت متاثر ہوئے۔

حقانی صاحب پرنسپل گلبرگہ کالج سے طبعیت اور نفس پر گفتگو: مولوی ابوتراب صاحب ناظم تعمیرات حکومت نظام حیدرآباد کے مکان واقع کاچی گوڑہ پر حقانی صاحب پرنسپل گلبرگہ کالج سے گفتگو کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے کہا میرا دماغ (mind) نہیں چاہتا کہ میں دین کا کوئی کام کروں بقول حضرت غالب کے

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

پہلے تو ایمانی نقطہ نظر سے تھوڑی دیر تک اس پر بحث و تمحیص ہوتی رہی لیکن حقانی صاحب اس سے کسی طرح قائل نہیں ہوئے۔ آخرش حضرت قبلہ نے دوسرا حربہ استعمال کیا اور کہا کہ اچھا جناب یہ بتائے کہ آپ کے افسر بالا دست یا وزیر تعلیمات کے احکامات کی پابندی کے لئے آپ کا دماغ (mind) کیا حکم لگاتا ہے۔ کیا وہاں بھی وہ اسی طرح سرکشی اور نافرمانی اور حکم عدولی کا نظریہ پیش کرتا ہے۔

تو انہوں نے کہا کہ ایسا کرنا گویا Bread of Government Order یعنی گورنمنٹ کے حکام کی خلاف ورزی اور ماتحتی اور Discipline کے مغائر ہوگا اور ہمارے ریکارڈ پر بدنما داغ Remark ثابت ہوگا۔ اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آپ جیسے انسانوں کی اختراع ذہنی بصورت ضابطہ ملازمت کی آپ خلاف ورزی کرنے میں زرا بھی اپنے دماغ Mind سے مشورہ نہیں کرتے بلکہ کسی پس و پیش کے اسکا تعمیل ضروری سمجھتے ہیں اور عدم تعمیل میں اپنے کارنامہ ملازمت کے خراب ہونے کا اندیشہ پیش نظر رکھتے ہیں تو بھلا اس خالق عالم کے نازل کئے ہوئے ضابطہ و دستور حیات یعنی جس کو قرآن اور کلام الٰہی کہتے ہیں اس کے قواعد و احکام کی خلاف ورزی کر کے اپنے نامہ اعمال کا ریکارڈ کیوں خراب کرتے ہیں اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ آپ کا دماغ mind تو اس طرف عمل کرنے کے لئے متوجہ کرتا ہے مگر آپ کا نفس خود سہل انگاری اور لاپروائی کے ماتحت اس طرف رجوع ہونے سے باز رکھتا ہوگا۔ جس کو

چھلاوہ اور وہم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے لیکن نفس پر قابو پانا کوئی بچوں کا کھیل تو ہے نہیں۔اس کے لئے تو تربیت Training کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور تربیت کے لئے کسی مربی کو تلاش کرنا پڑتا ہے اور ایسے مربی کو شیخ کامل یا پیر طریقت کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔چنانچہ مولانا روم فرمارہے ہیں

ہیچ نہ کشد نفس راجز ظل پر دامن آن نفس کش راسخت گیر

جناب صدیق دیندار چن بشویشر سے دو بدو مقابلہ اور مباحثہ :

مستقر ضلع رائچور میں نواب نثار یار جنگ تعلقدار کے مکان پر حضرت قبلہ کے پیر بھائی تھے۔صدیق دیندار بانی انجمن متولی خانقاہ سرور عالم واقع آصف نگر بلدہ سے گفتگو کا اتفاق ہوا عنوان ختم نبوت تھا صدیق دیندار صاحب نے حدیث ''العلماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل'' کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے اسی بناء پر بروزی نبی اور مثل نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے جو صحیح ہے۔اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کے اگر اس طرح کا نبی ماننا ہے تو میں خود کو پیش کرتا ہوں کہ مجھے بھی بروزی نبی اور مثل نبی تسلیم کرو۔صدیق دیندار صاحب نے برہم ہو کر فرش پر ہاتھ مارتے ہوئے دھمکی دی،آپ اس خصوص میں مزید بحث کی تو مسل کے رکھ دوں گا۔حضرت قبلہ نے اپنی پنڈلی پر سے تہہ بند چڑھاتے ہوئے چند بالوں کو پکڑ کر فرمایا اگر تصرف بتانا مقصود ہو تو ذرا بالوں کو تو تیڑھا کرو۔صدیق دیندار صاحب ساکت ہو گئے اور کچھ وقفہ کے بعد گویا ہوئے کہ آیئے ہم اور آپ مل کر دین اسلام کی خدمت کریں گے۔حضرت قبلہ نے فرمایا دین اسلام کی خدمت اور تبلیغ کے لئے مبلغ کو صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی ضرورت ہے۔پہلے ناقص اور باطل عقیدہ سے آپ توبہ کیجئے۔میرا اور تمہارا ساتھ کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ختم نبوت کا عقیدہ ہر فرقہ اسلامیہ کے پاس مسلم ہے جو شخص ختم نبوت کے عقیدہ کا قائل نہیں ہے اس کی نسبت تمام علمائے اسلام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ وہ مرتد ہے لہذا ایسے عقیدہ باطلہ سے تائب ہونا ہی نجات اخروی کا باعث ہوگا۔

دوسرا واقعہ:

انھیں صدیق دیندار صاحب نے ایک پمفلٹ بعنوان ''خادم خاتم النبین'' شائع وطبع کرایا اور عامۃ المسلمین کو ایک طرح کا مغالطہ دیا چونکہ تمام انبیاء علیہم السلام حضور انور ﷺ کے خادم ہیں اور حضور کی امت کے علماء نبی اسرائیل کے نبیوں کے مانند ہیں۔ اس لئے تمام انبیاء حضور انور ﷺ کے خادم ہیں اسی طرح علمائے امت محمدی اپنے کو حضور خاتم النبین کا خادم سمجھتے ہیں لہذا بالفاظ دیگر خود اپنے آپ کو خادم خاتم النبین بتلاتے ہوئے مثل نبی قرار دے کر ختم نبوت کے عقیدہ کے خلاف ایک طرح اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا۔ حالانکہ حدیث نبوی کی رو سے حضور انور ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کو اخی بھئی کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ چنانچہ اس فتنہ کے ازلہ کے لئے حضرت قبلہ نے بڑے بڑے پوسٹر طبع کرا کر اس فتنہ کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے عامۃ المسلمین کو متنبہ و آگاہ فرمایا تا کہ عامۃ المسلمین اس سے مغالطہ کھا کر گمراہ نہ ہو جائیں اور اس غلط عقیدہ سے اپنے آپ کو محفوظ محترز رکھیں۔

اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو ارتداد کے راستہ کھل جائے گا۔ اس فتنہ سے نہ صرف عامۃ المسلمین کو ہی آگاہ فرمایا بلکہ اکابر علماء و مشائخین جو دیندار صاحب کے غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو چلے تھے اور سمجھنے لگے تھے کہ مولانا صدیق دیندار مذہب اسلام کی تبلیغ واشاعت کا مستحسن اقدام بذریعہ تراجم قرآنی بزبان تلنگی، کنڑی، مرہٹی، ہندی، انگیریزی وغیرہ کر کے دین کی ایک بہترین خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اسی بناء پر دیندار مشن کے خلاف ان حضرات کی طرف سے اعتراضاً یا اصلاحاً کوئی بات ظاہر نہ ہو سکی اور نہ حضرات نے دیندار صاحب کے اس مغالطہ کا سد باب ہی کیا۔ بلکہ جب حضرت قبلہ نے ان علماء و مشائخین کے سامنے ''خادم خاتم النبین'' پمفلٹ کی قابل اعتراض عبارت کو پیش کیا تو وہ ان اعتبارات کو جو خلاف عقیدہ اہل سنت والجماعت تھے۔ معلوم کر کے اپنے حُسن ظن سے تائب ہو کر باز رہے۔ البتہ عامۃ المسلمین میں سے چند خوش اعتقاد افراد جو دیندار صاحب سے عقیدت رکھتے تھے

انہوں نے اپنے زعم باطل میں حضرت سے گستاخانہ انداز میں گفتگو کرنے کا عزم کیا اور یہ خیال کر کے دیندار صاحب جو دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں اس پر ابوجہل کی طرح جناب غوثی شاہ صاحب روڑے اٹکا رہے ہیں لہٰذا ان کی خبر لینی چاہئے لیکن وہ لوگ جب حضرت قبلہ کی خدمت میں آئے اور پمفلٹ مذکور کو حضرت کے مواجہ میں پڑھ کر دیکھا تو اپنے حربوں (ڈنڈے اور لاٹھی کو) سیدھا کر کے بولے کہ ہم لوگ اب ان کی خبر لیں گے۔

جو بھولے بھالے مسلمانوں کو مغالطہ دے کر دھوکہ بازی سے کام لیتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے ان سے کہا کہ میرا منشاء ہرگز اس سے یہ نہیں ہے کہ آپ لوگ فتنہ وفساد یا لڑائی جھگڑا برپا کریں بلکہ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ خود کو اور اپنے متعلقین کو اور دیگر احباب کو اس فتنہ سے محفوظ رکھیں رہ گیا دیندار صاحب کا معاملہ منعم حقیقی کے سپرد کرنا چاہئے وہ خود اس کا باحسن الوجوہ انشاء اللہ سد باب کر دے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بعد میں چل کر جناب صدیق دیندار صاحب کے مشن کو کوئی خصوصی کامیابی میسر نہ ہو سکی۔ یہی نہیں بلکہ اس طرح دین کے عقائد و احکام کے خلاف جس معاملہ میں اور جہاں اور جس مقام اور جس شخص سے بھی ذرا لغزش یا سرو گذاشت کا ذرا احتمال بھی محسوس کیا فوری اس کے سد باب کے لئے تحریر و تقریر کے ذریعہ ہمیشہ اس کا ازالہ اور التمام حجت فرمایا۔ چنانچہ حسب ذیل اور واقعات بھی ناظرین و قارئین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

سر مرزا اسمٰعیل :

جس زمانہ میں ریاست حیدرآباد دکن کی صدارت عظمٰی پر سر مرزا اسمٰعیل مامور کارگزار تھے انھوں نے اپنے دور میں کسی مقام جلسہ میں مذہب اور سیاست کو جدا ٹھہراتے ہوئے کہا تھا کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں بعد میں مسلمان۔ اس پر قبلہ نے ان کو فہمائش فرمائی کہ آپ جیسی ذمہ دار شخصیت کا ایسے الفاظ کا استعمال کرنا عامۃ المسلمین میں فتنہ وفساد پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ہر مسلمان مذہب کے مقابلے میں سیاست کو مقدم نہیں سمجھتا

اس کی سیاست بھی مذہب کے تحت ہی رہتی ہے۔ مسلمان کا ظاہر و باطن یکساں رہتا ہے اسکے قول وفعل میں یکسانیت ہوتی ہے۔ موجودہ مروجہ سیاست میں اس اصول کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا بلکہ مصلحتاً ظاہری الفاظ کی ملمع سازی کی جاتی ہے۔ حالانکہ حقیقت میں اس کے خلاف دل میں اس کے برعکس جذبات موجزن رہتے ہیں ایسے اعتبارات کو مذہبی نقطہ نظر سے نفاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مسلمان بہر صورت و بہر قیمت کبھی منافق نہیں ہوسکتا۔ بلکہ صداقت اور خلوص اس کا شیوہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کے تمام اخبارات میں مراسلت اور جوابی مراسلت کی باقائدہ اشاعت بھی ہوتی تھی۔ جس سے عامۃ المسلمین اور دیگر عوام کو حقیقت حال سے آگاہ ہوئی کہ مذہب اسلام اور اس کی سیاست جداگانہ حیثیت نہیں رکھتی۔ ہر مسلم کا ظاہر و باطن یکساں ہونے کے بعد جو بھی وہ کرے یا کہے گا اس کا یہ عمل مذہبی احکام کی روشنی میں ہوگا، لیکن غیر مسلم اور مغربی سیاست کا حال بالکل اس کے برعکس اور مغائر ہے۔ بنا علیہ وہاں مذہب وسیاست میں جدائی اور مغائرت ہوسکتی ہے۔

خط کے ذریعہ فہمائش جناب قاسم رضوی صاحب کے نام:

رضا کار دور میں مجلس اتحاد المسلمین کے صدر صاحب سید قاسم رضوی اپنے عہدے اور قوم میں ملی مقبولیت کے باعث اپنے زعم ملی میں جو بھی دل میں آتا، زبان سے اس کا اظہار کرنے سے دریغ نہ فرماتے۔ اس زمانہ میں ان کا طوطی بول رہاں تھا انہوں نے ایک بار ایک جلسہ میں دوران تقریر فرمایا کہ میں عبادت صرف اس کو نہیں سمجھتا کہ جھک جائیں یا سجدہ ریز ہو جائیں بلکہ میں حقیقی نماز اس کو سمجھوں گا کہ ہر مسلمان جو کسی ہنگامہ میں زخمی ہو جائے تو اس کی مرہم پٹی کرنا، دوسرے تمام مسلمان اپنا فرض اولین سمجھ لیں اور جھٹ سے حضرت سعدیؒ کا ایک شعر سند میں پیش کردیا

عبادت بجز خدمت خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و خلق نیست

چنانچہ اس نوعیت کا بیان اس زمانہ کے اخبار میں شائع ہوا جس سے مطلع ہوکر حضرت

قبلہ نے ایک مراسلہ بطور فہمائش رضوی صاحب کے پاس روانہ کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

"جناب رضوی صاحب السلام وعلیکم۔ آپ جیسی عامۃ المسلمین کا نمائندہ اور ذمہ دار شخصیت کو ایسے الفاظ استعمال کرنے میں احتیاط و تامل سے کام کرنا چاہئے جس سے مداخلت فی الدین اور اختراع فی الدین کا الزام جمہوریت کی طرف سے آپ پر عائد ہوتا ہے۔ آئندہ ایسے بیانات سے آپ کو اجتناب کرنا چاہئے۔

اسکا کوئی جواب تو وصول نہیں ہوا البتہ آئندہ سے اس قسم کا کوئی بیان رضوی صاحب کا ایسا نہیں ہوا جس پر کوئی اعتراض ہوتا۔ اس زمانہ میں حضرت قبلہ کے بعض احباب و متقدین نے منع بھی کیا تھا کہ اس وقت رضوی کی کمان چڑھی ہوئی ہے مگر اس کے باوجود حضرت قبلہ نے بلا کسی پس و پیش کے فوراً ان کو جواب دیا کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ زیادہ برین نیست کہ میں شہید کردیا جاؤں گا اس کے لئے تو فقیر سر بکف تیار ہے۔

فہمائش بنام مولوی عبدالروف صاحب وزیر تعمیرات حیدرآباد :

مولوی محمد عبدالروف صاحب بی اے، ایل ایل بی لائق علی صاحب کے دور وزارت عظمٰی میں محکمہ تعمیرات کے وزیر تھے۔ انہوں نے بھی اسی نوعیت کی لغزش سے کام لیا تھا مگر حضرت قبلہ نے ان کو بھی فہمائش فرما کر اس لغزش سے متنبہ فرمایا۔

دعوت اسلام اور مہاتما گاندھی صاحب :

پولس ایکشن اور تقسیم ہندوستان و پاکستان کے بعد حضرت قبلہ نے گاندھی جی آنجہانی کو ان کی وفات سے ایک ہفتہ قبل دعوت اسلام دی تھی۔ ان کے پرائیوٹ سکریٹری مسٹر پیارے لال کے توسط سے ذریعہ رجسٹری ایک دعوت نامہ روانہ کیا جس میں تحریر تھا

"گاندھی جی مہاراج؟

آپ کا اپنے کو مہاتما سمجھنا لوگوں کا آپ کو مہاتما نام سے مخاطب کرنا ایک نفسیاتی و سوسہ اور شیطانی دھوکہ ہے۔ قرآن جس کو آپ اکثر پڑھتے ہیں اس میں صاف طور پر ایک آیت

یہ بھی آئی ہے

وَمَنْ لَّمْ يُؤمِنْ بالله وَرَسُولِهٖ فَاِنَّ اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ سَعِيْرًا

(ترجمہ: جو کوئی بھی ہو جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول (محمد رسول اللہ) پر ایمان نہیں لاتا تو ایسے کافروں کا ٹھکانا سعیر تیار کر رکھا ہے)

لہذا آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کی رو سے جو شخص اللہ کو الٰہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول تسلیم نہ کرے، خواہ وہ نیک عمل اور رفاہ عام کے کتنے بھی کام کرے نجات تک نہیں پا سکتا۔

اس دعوتنامہ کو لکھتے وقت بھی بعض احباب اور معتقدین نے مشورہ دیا کہ ایسا دعوت نامہ دے کر اور بھی مصیبت میں پھنسنا ہوگا تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ دعوت اسلام دینا ہر مسلمان پر عموماً اور علماء و مشائخین پر واجب ہے لیکن مجھے افسوس ہے ک اب تک گاندھی کو جو نہایت دلچسپی سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں بلکہ ان کا یہ مقولہ بھی مشہور ہے کہ

''انہوں نے قرآن سے وحدت و اخوت کا سبق سیکھا ہے'' ان کو تا حال کسی شخص نے دعوت اسلام نہیں دی۔ جس سے ان کو اور ان کی قوم کو حقیقی آزادی (نجات) نصیب ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ وحدت اور اخوت کا سبق تو قرآن سے لیا لیکن اس کا صحیح استعمال کرنے کے بجائے دوسرے پہلو کو پیش نظر رکھ کر استعمال کیا۔ صرف انہون نے حکومت برطانیہ کی غلامی سے ملک و قوم کو آزاد تو کرانا چاہیئے۔ مگر یہ آزادی، حقیقی آزادی نہیں کہلائی جا سکتی۔ بلکہ اس آزادی کے حصول سے تو قوم و ملک کے باشندے فتنہ و فساد اور مصائب و آلام کے دلدل میں پھنس کر رہ گئے ہیں اس سے تو غلامی کا زمانہ ہی بہتر تھا اور آسائش کے ساماں مہیا تھے اس کے برعکس حقیقی آزادی (نجات) حاصل کرنے کا نسخہ تو مذہب اسلام نے پیش فرمایا ہے مجھے دعوت اسلام دے کر اتمام حجت کرنا مقصود ہے کہ کل بروز قیادت موجودہ علماء و مشائخین سے مواخذہ نہ ہو کہ تم نے گاندھی جی جیسی شخصیت جو خلوص اور ایثار و قربانی کا جذبہ بھی رکھتے ہیں دعوت اسلام کیوں نہیں دی۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیاوی آزادی اور اس کی فلاح عارضی اور فانی ہے

لیکن آخرت کی زندگی حقیقی آزادی وفلاح ابدی اور راحت کے سامان کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ یہ حقیقی آزادی جس کو نجات کہتے ہیں ابدی اور غیر فانی ہے ۔اس کے مقابلہ میں عارضی آزادی جوفنا ہونے والی ہے دنیوی آزادی ہے جس میں حقیقی سکون وآسائش کے سامان موجودنہیں ہیں بلکہ متاعِ دنیا کوقلیل کر کے ظاہر کیا گیا ہے

قل متاع الدنیا قلیل

اور آخرت کواس سے ہزار درجہ بہتر بتایا گیا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ برقرار رہے گی اور وہاں ابدی عیش وراحت کے سامان مہیا ہیں مجھے اس کی مطلق پروا نہیں کہ اس دعوت کا ردعمل کیا ہوگا۔ میں صرف خوف خدا رکھتا ہوں اور غیر اللہ یا مخلوق سے بے خوف ہوں چنانچہ اس دعوت نامہ کا کوئی جواب وصول نہیں ہوا، البتہ اس کے دوسرے یا تیسرے دن گاندھی جی نے اپنے ایک بھاشن میں جو برلا ہاوس سے شام میں براڈ کاسٹ Broad cast ہوتا تھا یہ الفاظ ظاہر فرمائے تھے

''لوگ مجھے کافر سمجھتے ہیں حالانکہ میں موحد ہوں میں بت پرستی نہیں کرتا لیکن بت پرستی کو برا بھی نہیں سمجھتا کیونکہ بت میں اور سب میں اسی **وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ** کا روپ جلوہ گر ہے۔''

اس بھاشن کی بناء پر حضرت قبلہ نے ایک مراسلہ روانہ کرنے والے تھے لیکن ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کوکسی بد بخت نے ملک وقوم کے سب سے بڑے محسن کے احسان کوفراموش کرتے ہوئے گولی کا نشانہ بنادیا گاندھی جی اگر اسلام کی حقیقی روح سے واقف ہوجاتے تو مہاتما ہی نہیں بلکہ ولی کامل کے مرتبہ کوپہنچ جاتے۔

''نور النور'' اور مولانا اشرف علی تھانوی: کتاب نور النور جو مسئلہ وحدۃ الوجود اور اس کے متعلقہ مسائل (عینیت وغیریت، تنزیہہ وتشبیہ تجدد امثال اور جبر وقدر وغیرہ) کی ایک جامع اور محققانہ اسلوب کے ساتھ فن تصوف میں حضرت نے تصنیف فرمائی ہے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۹ء میں شائع فرمایا تھا جو پونیہ سائز کا تھا بعد طباعت اس کا ایک ایک نسخہ اس زمانہ کے جملہ علمائے ملت اسلامیہ کودیگر مشاہیر ناقدین کے پاس ریاست وبیرون ریاست یعنی

(برٹش انڈیا) بھجوایا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حکیم الامتہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی جو اس وقت بقید حیات تھے اور جو علمائے متاخرین اقلیم ہند میں ایک نمایاں مقام کے حامل تھے اور جنہوں نے مذہب حقا اور جادۂ استقامت فی الدین سے سر مو لغزش نہیں کھائی اور کسی صورت اور کسی قیمت پر بھی قوم پرستی یا سیاسی مسلک کو اختیار نہیں کیا بلکہ سب میں رہ کر پھر سب سے جدا رہ کر للّٰہیت کے مسلک کو اپنایا۔ چنانچہ مولانائے موصوف نے اپنے ایک خط میں حسب ذیل الفاظ میں حضرت قبلہ کو اس طرح مخاطب فرمایا

مولانائے محترم!

السلام وعلیکم

آپ کے مرسلہ نسخہ نور النور کو میں نے بالاستیعاب دیکھا۔ مسئلہ جبر وقدر کو جس شرح و سبط سے آپ نے قلمبند فرمایا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس مسئلے نے مجھ کو قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا تھا۔ آخرش اس خصوص میں اپنا مسلک ابہمو ما ابھام اللہ رکھا۔

فجزاك الله

ولسلام ۔ مع الكرام

شرح دستخط

(مولانا) اشرف علی

نوٹ: یہاں پر یہ امر قابل غور ہے کہ مولانا کی صداقت اور بے نفسی کی بین دلیل یہی کافی ہوسکتی ہے کہ انہوں نے اپنے خصوص نقص کو ظاہر کرتے ہوئے حقیقی مسلک کی تصدیق کرتے ہوئے حضرت قبلہ کو مولانائے محترم کے الفاظ سے مخاطب فرمایا۔ یہ بات ان کی بے نفسی اور للّٰہیت پر دلالت کرتی ہے۔ **لا يعرف الولی الا الولی**

مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی کا ریویو برنسخہ نور النور :

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی جو ہفتہ اخبار صدق (سچ) کے ایڈیٹر ہیں اور تنقید و تبصرہ میں کسی طرح کی رو و رعایت نہیں کرتے۔ یوں تحریر فرماتے ہیں

ریویو : نورالنور از جناب غوثی شاہ صاحب قادری چشتی

۹۶ صفحہ تقطیع (۱۸+۲۲) اخبار سچ

مورخہ ۱۵ ارشوال ۱۳۴۶ھ

اہل تصوف کے ہاں وحدۃ الوجود کا مسئلہ ایک بڑا اہم و معرکتہ الآراء مسئلہ ہے جو عربی و فارسی سے قطع نظر کر کے اردو میں اس کی تشریح میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

پیش نظر رسالہ اردو کے اس سارے دفتر میں ایک مرتبہ امتیاز رکھتا ہے۔ سرزمین دکن میں اس وقت ایک مشہور وجودی درویش شاہ کمال اللہ عرف مچھلی والے شاہ صاحب ہیں ان کا سلسلہ فیض ماشاء اللہ بہت وسیع ہے۔ حضرت مصنف اسی خرمن کمال کے خوشہ چین ہیں۔ یعنی آپ کے خلیفہ (اور اب انھیں حضرت کمال کے جانشین ہیں، رسالہ میں شروع سے آخر تک اس کی پوری کوشش نمایاں ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو پتھر کو پانی کر کے بہایا جائے اور مسئلہ کی ہر گتھی کو ایک دلچسپ اور دلنشین پیرایہ ادا سے نبھا دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں پوری کامیابی محال ہے جو مطالب ہی نقطہ و عبارت کی گرفت سے باہر ہوں۔ انھیں کوئی کہاں تک آسان بنا سکتا ہے۔

ہو غم ہی جانہ گداز تو غمخوار کیا کریں

تاہم مصنف کی کوشش بہر صورت قابل داد اور لائق داد ہے۔ کتاب کے بعض ٹکڑے صاف و شگفتہ ہیں اور بڑی بات یہ ہے کہ شریعت ظاہری کا دامن بھی کہیں سے نہ جانے پایا ہے اور یہ کوشش بالعموم کامیاب رہی ہے۔

بزنس پر ملا سیف الدین کے بھائی سے مکالمے :

جو اسمعیلی بھوروں کے مرشد تھے ان کے ایک بھائی گجرات کے سفر میں حضرت قبلہ کے ساتھ ایک ہی ریل کے سکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں ہمسفر تھے۔ انہوں نے حضرت قبلہ کے سیدھے سادھے لباس کو دیکھ کر سمجھا کہ شاید کوئی تاجر ہوں گے۔ (کیونکہ اس وقت حضرت قبلہ سفید تہ بند سفید جبہ اور سفید گول ٹوپی میں ملبوس تھے) بناءً علیہ انہوں نے حضرت قبلہ سے پوچھا کہ آپ کیا کاروبار کرتے ہیں تو حضرت قبلہ نے فرمایا میں آدمیوں کا بزنس کرتا ہوں اس پر وہ بولے کہ فی زمانہ بردہ فروشی قانوناً ممنوع ہے تو جواب دیا کہ ہمارے پاس اس کاروبار کا لائسنس ہے جس کی بناء پر قانون مجھ پر لاگو نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے کہا لائسنس کس نوعیت کا ہے تو فرمایا کہ میں شیخ طریقت ہوں (یعنی مرشد) میں اللہ کے بندوں کے جسم وقلب وروح کو اللہ کے لئے خریدتا ہوں اور اللہ ورسول سے ان کا رشتہ و تعلق جوڑتا ہوں۔ خود رسیدہ کو خدا رسیدہ، خلق رسیدہ کو اس کے خالق تک پہنچاتا ہوں۔ اس پر بھی وہ بہت متحیر اور متعجب اور باادب ہو کر حضرت قبلہ سے مختلف مسائل وعنوانات پر بیان کو سنتے رہے اور بے حد متاثر رہے اور اپنے وطن پہنچ کر اپنے بھائی ملا سیف الدین صاحب سے اس ملاقات کا تذکرہ بھی کیا۔ چنانچہ ملا سیف الدین صاحب نے ایک خط میں حضرت قبلہ سے ملنے کا اشتیاق بھی ظاہر کیا تھا

نواب مقصود جنگ (حکیم مقصود علی خان صاحب) کا دوسرا واقعہ اور اس کے تاثرات:

نواب صاحب موصوف اس زمانہ میں نظام حیدر آباد کی حکومت میں ناظم طبابت یونانی کی خدمات مامور و کارگذار تھے ایک بار حضرت قبلہ کے دولت کدہ پر ایسے وقت حاضر ہوئے جب حضرت قبلہ اپنے مریدین و متسبین کو کلمہ طیبہ کی تشریح وتوضیح کے ساتھ افہام وتفہیم فرمارہے تھے چنانچہ نواب صاحب موصوف نے اس تمام بیان کو جو محققانہ انداز میں ہورہا تھا۔ سماعت فرمایا اور بے حد متاثر ہوئے اور مجلس برخاست ہونے کے بعد جب اپنی موٹر میں سوار ہو کر

ہمارے ایک پیر بھائی مولوی عبدالقدیر خان صاحب (جو نواب صاحب کے ہمراہ ملاقات کرنے حاضر ہوئے تھے) سے فرمانے لگے کہ ایسا عالمانہ اور محققانہ بیان تو اہل علم اور محققین حضرات کی مجلس میں ہونا چاہئے تھا بھلا ایسے معمولی لوگ اس کو کیا سمجھ سکیں گے اس پر عبدالقدیر خان صاحب نے جواب دیا کہ جناب نواب صاحب معاف فرمائے گا اگر میں یہ کہوں کہ اگر کچھ سمجھا اور استفادہ کیا تو انھیں معمولی اور کم علم لوگوں نے کیا ہے اور سمجھا ہے آپ تو صرف اسلوب بیان سے ہی لطف ہو کر ایسا کہہ رہے ہیں حالانکہ آپ کی فہم میں اس کا کوئی مضمون ابھی بیٹھا ہی نہیں اگر حقیقتاً اس کا فہم آپ کے دلنشین ہوتا تو آپ اس اجتماع سے اٹھنا بھی گوارا نہ فرماتے بلکہ حاضرین مجلس کی طرح وہاں ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ کر سنتے رہتے، اس پر نواب صاحب متعرف ہوئے اور قائل و معقول ہوئے اور اکثر اس واقعہ کو اپنے احباب میں مشاہدۃً بیان فرماتے۔ انھیں مقصود جنگ بہادر کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ

دوسرا واقعہ:

بتقریب عرس حضرت شاہ کمال اللہ عرف مچھلی والے شاہ صاحبؒ بمقام مسجد ٹھگی جیل الہی چمن واقع کاچی گوڑہ بلدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد بعد نماز عشاء حضرت قبلہ کا وعظ تھا۔ دعوت نامہ جات حسب معمول جمیع علماء و مشائخین اور دیگر عہدیداران ریاست کے نام جاری کئے گئے چنانچہ نواب صاحب موصوف کو بھی رقعہ پہنچا اور انہوں نے عرس شریف اور جلسہ وعظ میں شرکت کا تہیہ کر کے حاضر ہوئے۔ حضرت قبلہ کا وعظ بعنوان ''ولایت قرب'' جاری تھا۔ بدوران تقریر آیت قرآنی

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ

کی تشریح کرتے ہوئے ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا کہ وَاِذَا سَاَلَكَ کا جواب خود مولیٰ تعالیٰ فَاِنِّیْ قریب کر کے دیتے ہیں اس کا منشاء یہ ہے کہ اپنے طالبین کی خاطر اس قدر ملحوظ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قل کہہ کر فانی قریب کا جواب دینے کا بھی وقفہ نہیں دیتے بلکہ

خود ہی جواب میں **فانی قریب** کہہ کر سامنے آجاتے ہیں۔اس نکتہ پر نواب صاحب اس قدر متاثر اور متکیف ہوئے کہ تقریر ختم ہونے کے بعد حضور سے آخر عرض کر دیا کہ جس انداز سے آیت مذکور کی تفسیر فرمائی گئی ہے۔میری آنکھوں نے نہ ایسا مفہوم کو کہیں دیکھا اور نہ ایسے معانی کو میں نے سنا۔واقعی اہل تحقیق اور ناقدین میں بین فرق محسوس ہوتا ہے کہ اہل حق جوں کا توں مفہوم ظاہر فرماتے ہیں اور بطور خود کوئی تاویل یا تعبیر نہیں فرماتے۔

لیکن ناقد و علماء اس میں من مانی تاویل کر جاتے ہیں پھر آپ نے فانی قریب میں خائے تجلیلی کا بیان تو اور بھی سونے پر سہاگہ کا کام کر دیا۔یعنی جلد ہی قریب ہونے کو بتا دیا اور تصدیق کی گنجائش بھی باقی نہ رہی۔اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ قریب و ولادیت دونوں لازم وملزوم ہیں جس کسی نے ضرب علم کا استفادہ کبھی نہیں کیا وہ ولایت کے مراتب کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

مولانا عبد القدیر صاحب حسرت سے عینیت و غیرت پر مکالمہ :

صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد مولوی عبد القدیر صاحب سے بہ دوران گفتگو عینیت و غیریت اور اس کے اصول کا تذکرہ ہوا۔انہوں نے عینیت کے غلبہ حال سے مغلوب ہو کر غیریت کے اعتبار کو بالکل ملحوظ نہ رکھا اور ان پر اس گفتگو کے تاثر سے ذوق و مستی کی کیفیت طاری ہوگئی۔حضرت قبلہ نے شاہ کمال الدینؒ صاحب دیوان مخزن العرفان کا ایک شعر پڑھا

جو بولا عینیت خالی تو اس کے حال میں ہے نقص
جو بولا غیریت خالی تو اس کے قال میں ہے نقص

مولانائے موصوف یہ شعر سنتے ہی محویت سے صحویت کے مقام پر آگئے کیونکہ لا الٰہ الا اللہ میں عینیت ہے مگر محمد رالرسول اللہ میں غریت کا پہلو کیسے نظر انداز ہوسکتا ہے۔

خسر نواب ظھیر جنگ سے دلچسپ گفتگو:

نواب صاحب کے خسر جن کا نام یاد نہیں رہا خود ایک صاحب دل بزرگ تھے ان سے

برسرِ راہ حضرت قبلہ کی عثمان گنج کے پاس ملاقات ہوگئی انہوں نے حضرت قبلہ کو مشائخانہ لباس میں ملبوس دیکھ کر بے تکلفانہ انداز میں سوال کر ہی ڈالا جب میں اول ہوں اور نہ آخر۔ نہ ظاہر ہوں نہ باطن تو میں نماز پڑھوں تو کس کی؟ میں تو کسی صورت یا کسی حال ہوں ہی نہیں تو پھر عبادت کروں تو کس کی؟

حضرت قبلہ نے فی البدیہہ فرمایا کہ جب تک آپ کے اندر یہ تخیل ہے کہ "میں کس کی نماز پڑھوں" آپ برابر اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھنے کیلئے مکلّف ہیں کیونکہ ابھی غیریت کا شعور اندر موجود ہے۔ پس نماز ضرورت پڑھتے رہئے اور جب یہ شعور باقی نہ رہے تو مست و مدہوش دیوانہ ہے، مجذوب محض ہوتا ہے اور دیوانہ مرفوع القلم ہے وہ شرعی قیود سے آزاد رہتا ہے۔ اس پر وہ بزرگ اس قدر محضوظ اور مسرور ہوئے کہ وہیں گنج سے قریب ہوٹل کو اپنے ساتھ حضرت قبلہ کو لے گئے اور ہوٹل والے کو آرڈر دیا کہ ان حضرت کو خوب دودھ پلاؤ۔ انہوں نے مجھ پر بڑا ہی احسان کیا کہ ایک دیرینہ علمی خلش میرے اندر سے دور کر دیا (واضح باد حقائق کی رو سے علم کا تمثل عموماً دودھ سے تعبیر کیا جاتا ہے) لہٰذا ان بزرگ نے ھل جزاء الاحسان، الا الاحسان کے امتثال امر میں علم حاصل کر کے دودھ کو اس کے بدلے میں پلایا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب حسرت صدیقی کے پاس بھی حاضر ہوا تھا اور اس خلش کو رفع کرنا چاہا۔ انہوں نے بھی میرے خیال سے اتفاق کرتے ہوئے یہی فرمایا کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ بھلا میں آپ کی خلش کا ازالہ کیا کر سکتا ہوں۔ میاں میں آپ کا بیحد ممنون و مشکور ہوں کہ آپ نے میرے مرض کا بہترین علاج بتلا دیا۔

فجزاك الله فى الدارين خيراً

شیخ اکبرؒ کے ایک مسئلہ پر مولوی نظام الدین صاحب جھجری کا ایک سوال :

جو مکہ مسجد میں سرکاری واعظ بھی تھے انہوں نے ایک بار حضرت قبلہ سے پوچھا کہ شیخ اکبر نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ ہر کافر مرتے وقت غیب پر ایمان لاتا ہے لہٰذا مومن اور غیر مومن من از روئے خاتمہ کوئی فرق ہی باقی نہیں رہتا۔ تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ مومن پہلے سے ایمان بالغیب کا قائل رہتا ہے جو مرتے وقت ایمان بالمشاہدہ ہو جاتا ہے لیکن کافر شروع ہی سے ایمان بالغیب نہیں رکھتا۔ اس کو جب غیب کے عالم کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس کو عدم ایمان کے باعث کف افسوس ملنا پڑتا ہے اور اس وقت کا ایمان بالمشاہدہ لانا معتبر نہیں ہوتا۔ لہذا یہ قول بالکل حقیقت پر مبنی ہے کہ مرتے وقت کا ایمان لانا عبث ہی ہوتا ہے اور ایسا ایمان عنداللہ مقبول نہیں بلکہ ایسے ایمان پر وعید آئی ہے۔

حضرت شیخ اکبرؒ کے ایک مسئلہ پر صوفی عبد القادر صاحب سے سوال و جواب

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے اس قول کو جو فصوص الحکم میں آیا ہے کہ **مَاتَ فِرعونَ طاهراً مُطّهراً** پیش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت شیخ اکبر کا یہ قول کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ پھر بھلا ان کے علوم ہمارے لئے کیونکر ہدایت کا موجب بن سکیں گے اس پر اس قول کی تصحیح و اصلاح کرتے ہوئے حضرت قبلہ نے فرمایا ایسا نہیں بلکہ اصل قول یوں ہے **فَقبَضَهٗ طاهراً مُطّهراً** یعنی قبض کیا فرعون کی جان کو اسے پاک کر کے۔ چونکہ مرتے وقت فرعون ایمان لایا جیسا کہ از روئے قرآن پاک ارشاد ہوتا ہے **آلآنَ فَقَدْ** عصیت ہونا قبل ظاہر کیا گیا ہے۔ اس میں نفی ایمان نہیں ہے۔ انہوں نے کشف صحیح سے اس کو بتلایا ہے اور چونکہ کشف ہمارے لئے لائق حجت اور قابل اتباع نہیں ہے اور وجہ سے ہوسکتا ہے کہ ہم اس کو تسلیم نہ کریں چنانچہ اس خصوص میں مولانا اشرف علی تھانوی اغتراب (نفی) اور اقتراب (اثبات)

کے عنوان پر ایک مضمون بھی لکھا ہے جس سے اس قول کی مزید وضاحت حاصل ہوگئی ہے۔

وجود اور ذات سید محمد علی کاظمی تعلقدار سے مباحثہ :

سیّد محمد علی صاحب سیلو یلین برادر مولوی شطاری صاحب کامل ساکن اتالیق منزل چنچل گوڑہ حیدرآباد نے پہلے بڑی شان سے تعلقدار (کلکٹر) کی خدمات انجام دیئے۔ بعد میں درویشی کا مسلک اختیار کرلیا تھا۔ صاحب موصوف صوفی عبدالقادر صاحب کے بیحد معتقد تھے جو" وجود ایک ذات ایک" کے مسلک کے قایل تھے۔ چنانچہ وہ اکثر ہمارے دادا پیر المعروف بہ شاہ کمال اللہ عرف مچھلی والے شاہ صاحبؒ کے پاس الٰہی چمن کاچی گوڑہ عنبر پیٹ روڈ اکثر آتے جاتے رہتے تھے اور چونکہ حضرت موصوف " وجود ایک ذات دو" کے مسلک کا قائل اور متکلم بھی تھے۔ ایک دن وہ (تعلقدار صاحب) بیٹھے ہوئے حضرت موصوف سے کج بحثی کررہے تھے کہ حضرت قبلہ (غوثی شاہ صاحب) بھی وہاں حاضر ہوئے لہٰذا انکو دیکھ کر فوراً تعلقدار صاحب بول اُٹھے۔ اب بولونا۔ آیا رے میرا شیر اُہاں میرے شیر لینا ان حضرت (مچھلی والے) کی خبر۔ حضرت مرشدی نے آہستہ سے نرم لہجہ میں فرمایا" میں یہاں پر کچھ بولنے کے لئے نہیں بلکہ کچھ سننے اور سیکھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر صاحب موصوف خاموش ہوگئے۔ آخرش حضرت مچھلی والے شاہ صاحب نے فرمایا بیشک وہ آفتاب ہیں لیکن ذرہ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کی تو وہی مثل ہے

یک بیضہ مرغ دار دو فریادمی کنند   وارد ہزار درو صدف دم نمی زند

وہ صاحب کمال ہوکر بھی بے کمال بن کر بیٹھے ہیں وہ دُرِ بے بہا کے مانند آب وتاب رکھتے ہیں لیکن کسی طرح کا دم دعویٰ نہیں کرتے اور آپ ہیں کہ کچھ کمال نہ رکھ کر بھی اپنی معلومات کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ آپ تو اس مرغی کے مانند ہیں کہ ایک انڈا دے کر چیخ چیخ کر سارے گھر کو سر پر اٹھالیتی ہے اس پر تعلقدار صاحب برہم ہوکر بولے کہ" ایک وجود ذات دو" والا مشرک ہوتا ہے تو حضرت شاہ کمال اللہ نے فرمایا کہ ایسا مسلک رکھنے والا ہی درحقیقت

موحد ہوتا ہے۔ میری تو دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ایسا مشرک بنادے تاکہ کم ازکم ایمان سلامت رہ کر نجات کا راستہ تو ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ اسلام کی اساس کلمہ طیبہ ہے جس میں اللہ کی الوہیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی دعوت دی گئی ہے جس کے قائل ہونے سے وجود سے یکتائی کا عقیدہ اور ذات میں دوئی یعنی غیریت کا عقیدہ حاصل ہوتا ہے اس لئے قائل کلمہ طیبہ کو کم ازکم نجات سے استفادہ ہوسکتا ہے محض وجود میں یکتائی مانکر ذات میں دوئی نہ مانکر کفر والحاد کے عقیدہ کی طرف لے جاتا ہے یہ سن کر تعلقدار موصوف اٹھ کر وہاں سے چلے گئے۔

انھیں تعلقدار صاحب سے مندرجہ بالا واقعہ کے بعد ایک جگہ حضرت قبلہ ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا آپ نے بھی کیا غلط اقدام کیا کہ آپ مچھلی والے شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی وہ تو ایک وجود ذات دو کے قائل ہیں جس سے غیریت ثابت ہوتی ہے۔ عینیت اور توحید کا تو اس مسلک میں نام ونشان بھی نہیں۔ جب غیریت پائی گئی تو عینیت کیونکر ثابت ہو سکتی ہے اس پر حضرت قبلہ نے فوراً فرمایا۔ ایسی غیریت کو تو خود حق تعالیٰ نے اسلام کے دعوتی کلمہ میں بیان فرمائی ہے۔ اس پر انہوں نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام اور حضور خاتم النبین تک اسی کلمہ طیبہ کو پیش کیا جاتا رہا او حضور خاتم النبین ﷺ پر اس دعوت کا اہتمام فرماکر **لا الٰہ الا اللہ** کے ساتھ محمد الرّسول اللہ کے جز کو شامل کر کے تاقیامت اس کی دعوت کو جاری رکھا گیا پہلے جز **لَا اِلٰہ الا اللہ** ہی میں اسم وصفی الٰہ کی حیثیت سے تسلیم کرنے اور دوسرے جز **محمد الرّسول اللہ** میں ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم وصفی رسول کی حیثیت سے ماننے کی دعوت دی گئی ہے وجود جو ذات واجب لوجود (حق تعالیٰ) کی حیثیت ہے وہ دنوں جز میں ایک ہے۔ پس اس طرح بنیادی کلمہ ہی سے وجود ایک ذات دو کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے جو بالکل صحیح اور حق ہے۔ کیا آپ وصف الوہیت کی نفی کے ساتھ وصف رسالت کی نفی پر بھی آمادہ ہوں گے۔ یہ سنتے ہی تعلقدار صاحب موصوف جو کثرت سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے تھے بول اٹھے کہ بھلا

یہ کیسا ہوسکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ وعلیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا جائے۔ رسالت ہی کے ذریعہ سے توحید وایمان ہاتھ آیا۔ جس سے نجات و درجات پا کر ہی مسلم و مومن ابدالآباد تک عیش و سرور سرمدی کے مقام (جنت) میں داخل ہوسکتا ہے۔ اس دن سے انہوں نے وجود ایک ذات ایک کے عقیدہ سے توبہ کی اور صحیح مسلک پر قائم ہو گئے۔

ھدایت محی الدین صاحب ناظم دار القضاء:

ہدایت محی الدین صاحب جو درگاہ حضرت معروف علی شاہ صاحبؒ کے سجادہ نشین بھی تھے۔ ہر سال ۲۱ رمضان المبارک (یوم شہادت حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ) کو فاتحہ خوانی، جلسہ، وعظ اور قوالی کی مجلس منعقد ہوتی تھی اس میں ایک بار حضرت قبلہ بھی مدعو تھے۔ اس وقت علی بخش قوال صوفی عبدالقادر صاحب کی غزل جس کا مطلع ''کلا اہم ازل زیر پا یم ابد'' تھا گا رہا تھا۔ سامعین پر کیفیت طاری تھی۔ حضرت قبلہ اس مجلس سے اٹھ کر گھر تشریف لائے اور حسب ذیل مطلع کی غزل اسی بحر وزن میں لکھ ڈالی جس کا مصرعہ اولیٰ یہ ہے

منم ذات قل هو الله احد

اس غزل کو لکھ کر صوفی عبدالقادر کے پاس روانہ کی، اس کے کچھ دنوں بعد صوفی عبدالقادر صاحب سے ایک جگہ تقریب کے موقع پر ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضرت قبلہ سے شکوہ کیا کہ اگر میں کوئی نظم یا اشعار کہتا ہوں تو اس پر الحاد کا فتویٰ صادر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ آپ نے صاف طور پر اپنی فرستادہ غزل کے مطلع کے مصرعہ اولیٰ میں'' **منم ذات قل هو الله احد** '' لکھ کر خود کو خدا ہی ٹھہرا دیا۔ یہ توحید کیوں کر ہوسکتی ہے تو حضرت قبلہ نے جواباً فرمایا کہ میں محقق ہوں اور آپ نے کتابی طور پر مقلد بن کر ایسی توحید بیان کرنی شروع کر دی ہے جس میں حفظ مراتب کا اعتبار بالکل اور کلیۃً ساقط ہو جاتا ہے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد گر حفظ مراتب نہ کئی زندیقی

سوال کیجئے تو انہوں نے کہاں کہ آپ نے کل تقریر میں ''انا الحق'' کو کلمہ حق کہا ہے جو قطعی اور صریح کفر ہے۔اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ بھلا آپ نے کسی سے بیعت بھی کی ہے تو علامہ موصوف برہم ہوکر کہنے لگے کہ میں نے بیعت ویعت نہیں کی ہے بلکہ میں اس کو عبث سمجھتا ہوں تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ بس آپ کو اس خصوص میں سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔پھر بھی آپ کی تشفی کے لئے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ مسلمان اگر انا الحق بولا تو قطعاً کفر ہے لیکن اگر محقق ''انا الحق'' کہے تو وہ عین توحید ہے۔توحید فعلی کوملحوظ رکھ کر کلام کرنا چاہئے۔اگر نسبت کو اقتدار سے بدل کر کلام کیا تو ہی لغزش ہوگی۔اگر کوئی محقق بندہ جو ابنان کافی کا مصداق ہو۔اپنا کلام نسبت کوملحوظ رکھ کر اپنے منہ سے نکالے تو یہ اس کا حقیقی کلام نہیں ہوسکتا جیسا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

من نمی گویم انا الحق یا یگو ید بگو   چوں نمی گویم مرادلدار میگوید بگو

یہ سن کر علامہ رئیس المناظرین بلا کسی اذوقدح کے خاموش ہوگئے۔

ظاہر کو دیکھ کر باطن کا پتہ چلانا: حضرت قبلہ کی دولت کدہ ''بیت النور'' کے بیرونی برآمدہ میں چھت کے قریب دیوار میں کسی قدر شگاف پڑ گیا تھا ایک عقیدتمند تعمیرات کے اورسیر صاحب نے اس کو دیکھ کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پایہ کمزور رہ گیا ہے۔اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ ایسا تو نہیں ہے۔اس پر اورسیر صاحب نے فنی دلائل پیش کرتے ہوئے واقعہ کو صحیح ثابت کیا۔لہذا واقعہ مذکورہ کو بنیاد بناتے ہوئے تبصرۃ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ جسطرح اوپر کو نیچے کے نقص یا خوبی کا اندازہ صحیح طور پر اس کے ماہرین فن قائم کرلیتے ہیں اسی طرح اہل حق اور کاملین ظاہر کو دیکھ کر باطن کا بخوبی اندازہ لگالیتے ہیں اور اس کے مطابق صحیح حکم لگاتے ہیں۔چنانچہ ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ شاہ کمال صاحب اپنے دیوان مخزن العرفان میں فرماتے ہیں۔

معرفت کے نگر کے حرافاں   دم میں کھوٹا کھرا پرکھتے ہیں

اور حضرت مولانا روم بھی اپنی مثنوی میں اسی طرف ایک لطیف پیرایہ میں توجہ دلاتے ہیں

نور حق ظاہر نود اندرونی نیک بین بائی اگر اہل دلی

مولانا حمید الدین صاحب دیوبندی :

نظام آباد کے دورہ کے زمانے میں وہاں کے جمعیت العلماء کے صدر مولوی حمید الدین صاحب فارغ التحصیل دارالعلوم دیوبند نے امر مباح کے سلسلے میں انہوں نے کچھ گفتگو کا آغاز کی۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ مرتب کیا گیا تو حضور انور ﷺ کے ایماء پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو مرتب فرمایا۔ اس کے عنوان پر سب سے پہلے **مِنْ مُحَمَّد الرَّسُولُ الله** تحریر کیا جس پر کفار مکہ نے اعتراض کیا۔ اس تحریر میں سے رسول اللہ کے الفاظ مٹا دیا جائے اور اس کیلئے انہوں نے بار بار اصرار کیا۔ آخرش حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اچھا "رسول اللہ" کے لفظ مٹا دیا جائے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے از راہ ادب اسی لفظ کو مٹانے کی جرأت نہ فرمائی۔ گو امر رسول کے مقابلے میں یہ امر مباح کہلائے گا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ، باوجود اس کے کہ "الامر فوق الادب" کے اس فعل کو جائز رکھا اور مٹانے کی جرأت نہ کی۔ آخر کار حضور انور ﷺ نے معاہدہ مذکور اپنے ہاتھ میں لے کر لفظ محمد ر ل اللہ کو مٹا کر اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھوا دیا۔ اس معلوم ہوا کہ بعض اوقات سنت کے مقابلہ میں ادباً امر مباح کو اہمیت دینی پڑتی ہے چنانچہ مولانائے موصوف یہ سن کر بالکل ساکت و خاموش ہو گئے۔

دوسرا واقعہ :

مولوی عبد القیوم صاحب وکیل ہائیکورٹ نے (جو حضرت آغا اوٴ صاحب کے مرید معتقد) ایک بار بہ وران ملاقات انہوں نے فرمایا کہ آپ جیسے صوفیوں کے پاس بجز ایک آیت ھویت کے کوئی حربہ تصوف کے اثبات کے لئے ہے ہی نہیں۔ اس پر حضرت قبلہ نے فی البدیہہ فرمایا کہ اللہ احد (ایک) و یکتا ہے۔ اس کی بات بھی ایک ہی ہے جس کے ذریعہ اپنی ذات کا راز فاش فرمایا ہے۔ پھر بھلا ہم صوفی لوگ اس ایک بات کو لے کر تصوف کا علم سیکھنے کی عوت نہ یں تو بھلا ایسی عوت ینے کیلئے کون سی وسری آیت لائی جائے اس پر وکیل

صاحب موصوف خفیف اور خاموش ہو گئے۔

مولوی عبدالهادی صاحب واعظ سرکاری :

اکثر ایسا اتفاق ہوا کرتا کہ مولوی صاحب موصوف اور حضرت قبلہ کا ایک جگہ وعظ مقرر ہوتا اور حضرت قبلہ کے وعظ کے وران وہ عظ سننے کے لئے بیٹھ جایا کرتے اور حضرت قبلہ کی تقریر کے بعد خو جب تقریر کرتے تو تبصرۂ ہر دو تقاریر کا موازنہ قائم کرتے ہوئے فرماتے کہ میری تقریر جسم کی حیثیت رکھتی ہے۔ رآں حالیکہ حضرت غوثی شاہ صاحب کی تقریر روح کے مانند ہے۔ اگر جسم میں روح نہ ہوتو وہ مر ہ کے مانند ہے اور پھر مزید وضاحت فرماتے ہوئے بیان فرماتے کہ ہماری تقریر محمدیؐ کے عقائد واحکام کی توضیح تک محدو رہتی ہے لیکن غوثی شاہ صاحب کے تقریر عقائد واحکام کی حقیقت وحکمت کو واضح فرماتی ہے جس کو ین کی حقیقی روح کہنا زیا ہ موزوں ہوگا۔ بالفاظ یگر شریعت کا باطن طریقت ہے جس میں ہر مسئلہ کی ملت نمائی اور اس کی حقیقت ومعرفت کا علم وا راک حاصل ہوتا ہے جس سے قلب وروح کو سکتہ حاصل ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ پیر محمد حسین صاحب قبلہ:

ایکبار حضرت موصوف مولانا سید سلیمان ندوی کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں ابلاغ وتبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔ واپسی کے بعد وہاں سے راست حضرت قبلہ کے پاس تشریف لائے اور فخریہ فرمانے لگے کہ آج میں نے ایک بڑے مولوی صاحب کو توحید حقیقی کی تبلیغ کی ہے تو حضرت قبلہ نے سن کر کہا کہ آپ سے کوئی کہے کہ نہ آپ یہو ی ہیں نہ نصرانی بلکہ آپ سچے اور پکے مسلمان یعنی مسلم حنیف ہیں تو آپ پر اس کا کیا اثر مرتب ہوگا اور کیا احساس پیدا ہوگا پھر قدرے توقف کے بعد حضرت قبلہ نے حسب ذیل آیت تلاوت فرمائی۔

مَاكَانَ اِبْرَاهِيمَ يَهُوْدِيّاً وَّ لَا نُصْرَانِياً وَّلَاكِن كَانَ حَنِيفاً مُسْلِماً

(یعنی ابراہیم علیہ السلام نہ یہو ی اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو صرف مسلم حنیف)

حضرت مولانا موصوف رقص کرنے لگے کہ بھائی قابل فخر تو سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ الحمدللہ میں مسلم حنیف ہوں اور بار بار اس کا ذوق لیتے رہے۔ **الحمد لله ثم الحمد لله**

دوران حج :

سال سنہ ھجری میں حضرت قبلہ اور شاہ محمد حسین صاحب قبلہ اور حضرت شیخ امجد شاہ کمال اللہ صاحب عرف مچھلی والے شاہ صاحب ایک ساتھ سفر حج میں بھی رہے اور حج و زیارت حرمین وشرفین میں باہم رفیق رہے۔ حرم شریف میں ہر سہ حضرات بیٹھے ۔حضرت شاہ محمد حسین صاحب قبلہ نے حضرت قبلہ کو مخاطب فرما کر کہا کہ بھائی میں یکھتا ہوں کہ آپ تو صرف حرم میں بیٹھے رہتے ہیں لیکن طواف وغیرہ بہت کم کرتے ہیں۔ حضور نے فی البدیہہ فرمایا کہ کعبۃ اللہ کا یکھنا عبا ت اور نیکی ہے اور اس کو یکھنے سے واگنوں ثواب لوٹ لتیا ہوں۔ بھلا طواف کی زحمت کون اٹھائے۔ پھر ہمارے قبلہ و کعبہ (شاہ کمال اللہؒ) کے ہوتے ہوئے خانہ کعبہ کا ذکر ہی کیا ہے۔

کعبہ پیش کچھ ل کے مساوانے کنہ
آستانت آن بو ابن خاص پائندہ جائے تو

ہمیں تو اپنے کعبہ ل کے طواف سے ہی فرصت نہیں ہے۔

میر حامد علی صاحب نائب معتمد صنعت و حرفت:

صاحب موصوف اپنا قصہ بیان فرماتے کہ جب وہ کلکتہ میں مقیم تو وہاں ایک صاحب کشف بزرگ سے ملاقات ہوئی ان کے حلقہ ارا ت میں کئی اشخاص اخل اور ان کے مرید ان مریدین نے میر صاحب موصوف سے بھی ان بزرگوار کے مرید ہو جانے کے لئے کہا تو وہ بھی ان بزرگ کے موصوف کے پاس حاضر ہوئے اور اپنے ل میں حقائق و معارف کے حصول کا مدعا لے کر ان کے صحبت میں بیٹھے تو وہ بزرگ انکی وار ات قلبی پر کشف کے ذریعہ مطلع ہو کر ان کا ہمارے یہاں حصہ نہیں ہے۔ راصل وجہ یہ کہ ان حضرت کے پاس

کشف کرامت اور خوارق عادات تو لیکن حقائق و معارف کا علم نہ تھا۔ چنانچہ جب میر صاحب موصوف نے حضرت پیر و مرشد قبلہ کے پاس حاضر ہوکر بیعت کی تو اس وقت انہوں نے اپنے گذشتہ ان تمام واقعات کو بیان کیا چنانچہ بلدہ حیدرآباد میں وقت محلہ چراغ علی گلی میں وہ رہتے اور وہاں سے پیدل چل کر چنچل گوڑہ بیت النور حاضر ہوا کرتے اور کتاب نورالنور کا درس بھی حضرت قبلہ سے لیا کرتے ۔فقیر راقم الحروف سے بھی بعد وصال حضرت مرشدی و مولائی جب کبھی ملاقات ہوتی تو اس قسم کے مسائل پر باہم تجدید ایمان و عرفان کیا کرتے ۔صاحب موصوف کو ان علوم کا خصوصی ذوق و احساس تھا اور شغف بھی تھا۔

مال والے کی دیوڑھی کے مجذوب صاحب :

مجذوب صاحب کے پاس سے حضرت قبلہ اور شاہ محمد حسین صاحب قبلہ کا گذر ہوا۔ یہ مجذوب صاحب ہمیشہ سیکل کھولنے اور فٹ کرنے کا مشغلہ رکھا کرتے ۔ دونوں بزرگوں نے ان مجذوب صاحب کے قریب آکر ارادہ فرمایا کہ ان مجذوب صاحب کے مقام کا پتہ چلایا جائے جب دونوں حضرات وہاں پہنچے تو وہ اسی طرح سیکل فٹ کرنے میں مصروف ۔حضرت شاہ محمد حسین نے اپنے دل میں سوال کیا کہ حضرت مجذوب صاحب کیا آپ کے پاس کچھ کشف و کرامات بھی ہے تو مجذوب صاحب اس خطرہ پر مطلع ہوکر کہنے لگے کہ ہاں یہ ہمارے پاس بہت ہے۔ اس کے بعد حضرت قبلہ نے اسی طرح اپنے دل میں سوال کیا کہ آپ کو حقائق و معارف کے علوم سے بھی آگاہی ہے تو مجذوب صاحب فوراً بول اٹھے کہ یہ چیز ہمارے پاس نہیں اس طرح ان کے مقام کا پتہ چل گیا۔

نواب قادر نواز جنگ اور مہاراجہ کشن پرشاد کی ملاقات:

نواب صاحب موصوف اور سر یمین السلطنت کشن پرشاد سے باغ عام میں نمائش کے موقع پر ایک جگہ ملاقات ہوئی۔ دونوں نے شیک ہینڈ (مصافحہ) کیا اور نواب صاحب نے فرمایا کہ خدا خدا سے شیک ہینڈ کر رہا ہے اس پر مہاراجہ نے نواب صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ

آپ کا عرفان تو بہت بلند و بالا معلوم ہوتا ہے۔اس واقعہ کو قا رنواز جنگ بہا رنے حضرت قبلہ کے سامنے بیان کرتے ہوئے ا چاہی۔تو حضرت قبلہ نے فوراً فرمایا کہ مہاراجہ نے تو یہ جملہ کہہ کر اپنے مقام سے نیچے گرا یا کیونکہ اگر عرفان میں کمی وبیشی ہو تو یہ بندوں کی نسبت ہے۔ انہوں نے تو خدائی کے مقام سے آپ کو اٹھا کر عبدیت کے مقام پر پھینک یا۔یعنی خدائی اعلیٰ مقام سے آپ کو عبدیت کے اسفل مقام پر گرا یا۔ایسے عرفان سے سوائے پستی اور قصر مذلت میں گرنے کے حاصل ہی کیا ہو سکتا ہے۔

دوسرا واقعہ :

انھیں نواب صاحب کے پاس اکثر علماء ومشائخین محض یومیہ اور ماہوار وغیرہ کی اجرائی کی غرض سے آیا جایا کرتے کیونکہ نواب صاحب موصوف پیشی حضور بندگان عالی میر عثمان علیخان بہا رآصف سابع میں ماموروکارگزار ۔انھیں مشائخین میں ایک مشائخ شاہ غلام غوث صاحب کمبل پوش بھی اسی زمانہ میں ان کے نام چالیس روپیہ ماہوار بطور یومیہ جاری ومنظور ہوا تھا۔قا رنواز جنگ چونکہ حضرت قبلہ کے پیر بھائی ۔نواب صاحب حضرت قبلہ سے ملاقات واستفا ہ کے طالب رہا کرتے چنانچہ ایک بار اس خصوص میں نواب صاحب کے پاس تشریف فرما ہوئے تو تمام مشائخین نے حضرت قبلہ کو یکھ کر مبار کبا ینا شروع کی تو حضرت قبلہ نے اس کی وجہ ریافت فرمائی تو انہوں نے کہا غلام غوث صاحب آپ ہی ہیں (قبل سلوک غلام غوث خان کے اسم گرامی سے موسوم لیکن خلافت واجازت کے بعد سے غوث علی شاہ عرف غوثی شاہ کے نام سے موسوم ہوئے) جن کے نام پیشی خداوندی سے چالیس روپیہ یومیہ (ماہوار) منظور ہوا ہے۔(واضح رہے کہ اس زمانہ میں اسی نام سے حضرت قبلہ مشہور) اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ خدانخواستہ مجھے کیوں یومیہ ہونے چلا اور اگر بالفرض ۴۰روپیہ یومیہ اجراء ومنظور ہو تو مجھے ایسے یومیہ سے محروم ہی رہنا بہتر ہے کیونکہ میرے اور میرے متعلقین کا فی الحال ماہانہ خرچ مبلغ ۲۰۰ یا ۳۰۰ روپیہ ماہانہ کم نہیں۔بھلا ایسے قلیل

ماہوار   میرا کونسا کام نکلے گا۔ ہوسکتا ہے اس نام کے کوئی دوسرے صاحب ہوں تو ہوں گے۔
دوسری بات ہے چنانچہ ا   اجتماع میں منجملہ دیگر مشائخین کے حضرت شاہ محمد خان صاحب خواجہ پہاڑی والے بھی موجود تھے انہوں نے نواب قادر نواز جنگ بہادر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یہ حضرت (غوثی شاہ) تو نگل کے پہلوان ہیں اور ہم لوگوں کا تو وہی حال ہے کہ طائفہ ر ان ہر کو ونشست کے مصداق ہیں۔ ان کا تو آپ کو بطور خاص خیال رکھنا چاہئے تھا اس پر قا رنواز جنگ نے کہا یہ حضرت ایک عرصہ سے میرے پاس آتے جاتے رہتے ہیں لیکن انہوں نے کبھی بھولے سے بھی اشارۃً یا کنایۃً کسی قسم کی رخواست یا منشاء ظاہر نہیں کیا۔ پھر بھلا ہم خیال کریں تو کیوں کر؟ اس پر شاہ محمد صاحب نے کہا ان کو بھلا اس کی کیا حاجت کہ آپ سے کچھ کہیں وہ متوکل علی اللہ ہیں۔ یہ تو آپ کا فریضہ ہے کہ آپ ایسے متوکلین کا بطور خاص خیال رکھیں۔
حضرت قبلہ نے وہیں فرمایا کہ بھلا اس کی حاجت ہی کیا ہے اللہ بس باقی ہوس

وَمَنْ يتيوَكَلَ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُه

ایک ہندو گیانی :

ایک ہندو گیانی سے بنگلور میں ملاقات ہوئی تو اس سے حضرت قبلہ نے فرمایا کہ وہ کون سے مارگ (سلوک) پر چلتا ہے آیا ا ویتی ہے یا ویتی؟ تو اس نے جواب یا کہ میں ''ا ویتی'' ہوں۔ پھر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ سنسار (مخلوقات) کی نسبت کا اعتبار ہے۔ تو اس نے مخلوق کی غیریت کو ''صرف ہمی ہے'' کہہ کر مثال پیش کرتے ہوئے اس نے کہا کہ یہ یکھئے کچھ فاصلے پر ایک کھمبا کھڑا معلوم ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اندھیرے میں اس کھمبے پر ایک ایستا ہ آ می کا گمان ہوتا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں تو وہ کھمبا ہی ہے۔ ٹھیک اسی طرح مخلوق جس کو وجو ہی نہیں ہے وہ رحقیقت موجو ہ ہی نہیں ہے بلکہ د جو حقیقی تو راصل پر ماتما ہی ہے اور مخلوق جو موجو نظر آتی ہے وہ تو صرف وہم ہی وہم ہے اس پر حضرت قبلہ نے فرمایا

پھر اگر وہی کھمبا حقیقت میں چور ہی نکل آیا تو مہاراج بھلا بتاؤ تو سہی کہ اس وقت تمہاری وہمی غیریت کیا نتیجہ پیدا کرے گی؟ یہی نہیں کہ چوری بھی ہوگی اور نقصان اٹھانا پڑے گا اور مفت میں لٹ جاؤ گے۔ اس تقریر کو سن کر وہ بہت خفیف ہوا اور سجدہ ریز ہو کر بولا کہ آپ مہا اُتم گیانی (عارف کامل) معلوم ہوتے ہیں۔

ایک انگریز:

ریل کے ایک سفر میں سکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں ایک انگریز بھی ہمسفر تھا سوتے وقت رات میں اس نے شراب کی بوتل نکال کر پی اور حضرت قبلہ سے کہنے لگا کہ ہم لوگ نیند اور سکون کے لئے شراب استعمال کرتے ہیں تاکہ شراب پی کر سکون کی نیند آجائے۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ ہمارے Prophet پیغمبر نے ہم کو سوتے وقت کی ایک عا سکھائی ہے جس کو سوتے وقت پڑھ کر ہم چین کی نیند سو جاتے ہیں۔ اس نے اس عا کی عبارت ریافت کی تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰ

(یعنی: اے اللہ تعالیٰ میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور تیرے نام سے زندہ ہوتا ہوں)

بھلا بتاؤ تو سہی جس کسی کا روزانہ یہی معمول ہو جائے کہ سونے اور جاگنے کو مرنے اور زندہ ہونے کے مانند سمجھتا ہو اور جو اللہ کے نام سے مرتا اور اسی کے نام سے زندہ ہو تو بھلا اس شخص کو سکون اور اطمینان نہ نصیب ہوگا تو اور کس کو ہو سکتا ہے بلکہ اس کا پوچھنا ہی کیا۔ اس گفتگو سے وہ انگریز بھڑک اُٹھا اور کہنے لگا کہ بیشک موت اور زیست کے بکھیڑوں سے صرف خدا کے نام کے ساتھ ہی سکون و نجات حاصل ہو سکی۔

ایک وھابی اور غیر مقلد:

بنگلور کے قیام کے زمانے میں ایک وہابی (غیر مقلد) بدوران گفتگو ال کیا کہ جب حق تعالیٰ ارحم الراحمین ہے تو پھر (نعوذ باالله) حضور کی شفاعت کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت قبلہ نے فرمایا کہ اللہ رزاق ہے اور خالق ہے۔لہذا آج سے آپ کو کھانا حرام اور جورو کے پاس جانا حرام ہے اللہ راست آپ کو کھلائے گا اور اولا پیدا کرے گا۔اس پر اس نے کہا کہ یہ سب چیزیں ذریعہ اور وسیلہ ہیں تو حضرت قبلہ نے فرمایا کہ حضور انور ﷺ جو شفیع المذنبین ہیں تو وہ اس ارحم الراحمین یعنی حق تعالی کی رحمت کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور ا لئے آپ وَمَا اَرسَلْنٰكَ اِلّا رحْمَةً لِلْعَالمين کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے بس ارحم الراحمین کی رحمت بصورت رحمۃ اللعالمین وسیلہ بن کر شفاعت کرے گی جس کے آنحضرت ﷺ مازون (اجازت یافتہ) اور مامور ہیں جیسا کہ نص قرآنی میں وار ہے مَنْ ذالذی یشفع عنده اِلا باذنه یعنی کون ہے جو شفاعت کرے اور اس کے پاس مگر جو اس کے حکم سے مجاز گر انا گیا ہو اس کا۔اس پر وہ شخص لاجواب ہو کر بالکل خاموش ہو گیا اور پھر عرض کیا کہ پھر شام میں پھر حاضر ہوتا ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ حاضر و ناظر تو صرف اللہ ہی ہے لہذا کسی کا حاضر ہونا بھی شرک کے مترا ف ہوگا اس پر وہ اور بھی خفیف ہوا۔

محبوب نگر کا وھابی:

جناب ابوسعید مرزا صاحب ضلع محبوب نگر میں سیشن جج کے عہدہ پر مامور و کارگزار ان کے پاس حضرت قبلہ بدوران ورتبلیغی قیام فرما ۔اتفاق سے اس زمانہ جج صاحب موصوف کے پاس ایک شخص محمد غوث سے ملنے کی غرض سے آیا جج صاحب موصوف نے اس کا حضرت قبلہ سے بایں الفاظ تعارف کرایا "حضرت قبلہ! یہ شخص وہابی ہے۔" حضرت قبلہ نے فرمایا نہیں صاحب یہ تو وہابی نہیں بلکہ اہل حدیث معلوم ہوتے ہیں۔چنانچہ شخص مذکور نے اعتراضاً کہا کہ میں وہابی نہیں بلکہ اہل حدیث ہوں۔اس پر جج صاحب نے مکرر کہا کہ حضرت یہ وہابی ہے کیونکہ یہ شخص شفاعت کا منکر ہے۔حضرت قبلہ نے اس سے پوچھا کہ کیا واقعی آپ شفاعت کے منکر ہیں تو انہوں نے کہا میں شفاعت کا منکر نہیں ہوں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ شفاعت کس کے لئے ہوگی کیا مومن کے لئے ہوگی یا غیر مومن کے لئے ہوگی۔تو جواب

ہے کہ شفاعت ایسے ایمان والوں کے لئے ہوگی جو کبائر (بڑے گناہ) کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔ پھر قرآن پاک کی آیت بھی ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْراً یَّرہ۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً یَّرَ

(یعنی جو ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا تو اسکی جزائے خیر یکھے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کی سزا یکھے گا۔)

ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر شفاعت کی ضرورت ہی کیا ہوسکتی ہے۔ اس پر حضرت قبلہ نے کہا کہ بلا ایمان کے کوئی عمل عنداللہ مقبول ہی نہیں ہوسکتا۔ پس معلوم ہوا کہ عمل کی مقبولیت کا مدار عقیدہ اور ایمان پر ہے اور ایمان وعقیدہ بغیر ذات رسالت مآب ﷺ ہرگز رست نہیں ہوسکتا۔ پس باعث ایمان حضرت رسالت مآب ﷺ ہی ہیں پس اگر ایمان کے باوجو عمل میں کوتاہی یا فروگذاشت ہو بھی جائے تو حضرت شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت اس کا ازالہ کرے گا۔ لہذا شفاعت کی ضرورت اسی لئے ہے اور کسی نہ کسی کو مجاز شفاعت گر انا ضروری ہے۔

پس حضور انور ﷺ من اللہ ماذون (اجازت یافتہ) اور شفاعت کی سندر کھتے ہیں۔ اسی مذکورہ بالا شخص کا یہ بھی واقعہ ہے (جو اس کا خو بیان کر ہ ہے) کہ وہ حضرت قبلہ کے مواعظ اور بیانات کو سن کر گھر جاتا اور اپنی کتابوں میں ان مضامین کو تلاش کرتا۔ مگر ان کتابوں میں اس قسم کا کوئی بیان نہ پاتا۔ آخرش ایک ن وہ اپنی ساری کتابیں تانگہ میں لا کر حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے حیرت تو یہ ہے کہ آپ کا بیان سن کر گھر جاتا ہوں اور روزانہ ان کتابوں میں ان مضامین کو تلاش کرتا ہوں تو ان کا کہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔ عقل سلیم آپ کے بیان کو کتاب وسنت کی روشنی میں تسلیم کرتی ہے تاہم میری کوشش یہی رہتی ہے یگر علمائے ین نے اس کو کس طرح بیان فرمایا ہے۔ مگر اس طرح کا اسلوب بیان کا ان کا تصانیف میں کہیں نام ونشان بھی نہیں ۔ اس پر حضرت قبلہ نے حضرت مولانا روم کا

حسب ذیل شعر پڑھ یا ۔

صد کتاب و صد ورق رنار کن   جان و ل راجانب لدار کن

اس کو سن کر انہوں نے بھی اعتراف کیا کہ محض کتابی طور پر ین کا کمال حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لئے استا یا مربی کامل کی ضرورت ہے جو اپنے علم و تربیت کے فیضان سے ین کی حقیقی روح عطا فرمائے۔

مولانا علامہ حافظ محمد اسمعیل صاحب پیارم پیٹی:

جو سر حلقہ حدیث بھی   ایک مرتبہ بمقام بنگلور حضرت قبلہ کے پاس تشریف لائے۔ حضرت قبلہ نے اِن وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْن کی آیت پڑھی حقیقت محمدی کی تفصیل و توضیح کی ۔ان حقائق کو سن کر مولانا نگ رہ گئے اور نہایت محظوظ ہوئے اور حضرت قبلہ کی بہت تعریف کرنے لگے اس کے بعد مولانا کو فن تصوف کے مطالعہ کا ذوق پیدا ہو گیا اور انہوں نے تصوف کی کئی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ انھیں کتب میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی کی تصنیف ''کلمتہ ا '' کا بھی مطالعہ کیا چونکہ اس کتاب میں عینیت محض کا بیان بلا امتیاز و اعتبار غیریت مندرج ہے ۔ بناء علیہ مولانا بھی عینیت محض کے قائل ہو گئے اور غیریت کی نسبت صرف غیریت اعتباری کا عقیدہ رکھنے لگے او بسا اوقات اپنی جماعت (اہل حدیث) میں عینیت محض کے زعم میں وحدۃ الوجو کے مسئلہ کو بیان فرمایا۔ اس پر ان کی جماعت والوں نے اپنے عقائد سے برگشتہ ہونے کا الزام لگایا چنانچہ وہ مولانا کو جب ملحد و کافر کا خطاب یتے تو مولانا ہنستے۔ اس واقعہ کو انہوں نے کسی وسری ملاقات میں حضرت قبلہ سے عرض کیا تو حضور نے اپنی ''طیبات غوثی'' کی ایک غزل کا حسب ذیل شعر پڑھ یا

کہتے ہیں کافر مجھے مسلم تمام   کہتے ہیں کہ مسلم کافر ہوگیا

جب مولانا مذکورہ بالا شعر سنا تو وجد کرنے لگے اور بار بار اس شعر کو پڑھ کر ذوق لینے لگے پھر آخر میں پوچھا کہ حضرت یہ شعر کس کا ہے؟ تو حضرت قبلہ نے ''طیبات غوثی'' کا ایک

نسخہ مرحمت فرما کر اس کا حوالہ بتایا۔ چنانچہ مولانا نے اسے خرید لیا اور اپنے ساتھ لئے گئے۔

تھیاسوفیکل سوسائٹی میں تقریر کی دعوت :

مسٹر حیدری جو وزیر فینانس انہوں نے حضرت قبلہ کو تھیاسوفیکل سوسائٹی واقع ہنومان ٹیکڑی حیدر آبا میں تقریر کرنے کی رخواست کی۔ ہم لوگوں مسز اینی بیسنٹ کی ساعتہ سوسائٹی میں مختلف مذاہب اور مکتب خیال کے اصحاب کی تقاریر اور لکچر کراتے ہیں۔ سوسائٹی مذکورہ کے اجتماعات میں ہر مذہب کے اہل علم حضرات اور تعلیم یافتہ طبقہ کے روشن خیال اصحاب شریک رہتے ہیں۔ ان حضرات کی مجلس میں آپ کی بھی تقریر ہو جائے تو ان لوگوں کو اسلام اور اس کے تصوف کی حقیقی اہمیت محسوس ہوسکی ہے۔ حضرت قبلہ نے کہا میں ایک بے لاگ مقرر ہوں۔ ممکن ہے کہ میرے بیان سے وسروں کے خیالات متاثر ہو کر باہمی شکر رنجی کا باعث ہو جائے اور بجائے اصلاح کے تخریب کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ اس پر مسٹر حیدری نے کہا مسز اینی بیسنٹ نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا ہے اور ہر مذہب کے زرین اور اہم اصولوں کو منتخب کر کے ایک نیا مکتب خیال قائم کیا ہے جس کو تھیاسوفزم کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کا اہم مقصد یہ ہے کہ ہر مذہب وملت کے جاننے والے اس کی تھیاسوفیکل سوسائٹی میں شریک و اخل ہوسکتے ہیں۔

چنانچہ راجہ رام موہن رائے (بنگالی) کی طرح برہمو سماج کے مقابل میں اس سوسائٹی کو بھی تشکیل یا گیا ہے ان ونوں سوسائٹیوں کے ہال بھی ہنومان ٹیکڑی میں آمنے سامنے واقع ہے۔ مسٹر حیدری نے یہ بھی کہا کہ یہاں ہر قسم کے مسلک اور مذہب والے مقررین کو عوت ی جاتی ہے اور تمام شرکاء سوسائٹی نہایت سنجیدگی سے بیان و تقاریر سماعت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک تاریخ کا تعین کر کے حضرت قبلہ کو تاریخ مذکور پر تقریر کرنے کے لئے آما ہ کیا گیا لیکن اس میں کوئی عنوان (Topic) مقرر نہیں کیا گیا جب حضرت قبلہ نے تقریر آغاز کی تو اسے قبل خو ہی اپنا عنوان "عقل کی حقیقت" قائم فرما کر بیان شروع کیا اور اس کی اس طرح توضیح فرماتے

ہوئے تقریر فرمائی کہ انسان کو فلسفی اور معقولی حضرات عقل کی بناء پر اشراف المخلوقات تسلیم کرتے ہیں لیکن عقل صرف ما ی اشیاء سے جو اس کے تجربہ اور مشاہدہ میں آتی ہے انھیں سے بحث کرتی ہے۔ غیر ما ی یا غیر مرئی اشیاء کی نسبت چونکہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ اس کو حاصل نہیں ہوتا اس وجہ سے اپنی جیسی غیر ما ی اشیاء مثلاً روح، خیال یا عشق اور اپنی حقیقت سے بالکل بے بہرہ رہتی ہے تاوقتیکہ ان سب اشیاء ما ی وغیر ما ی کا خالق حقیقی ان اشیاء کی حقیقت کا علم نہ عطا فرمائے وہ اپنی حقیقت سے واقف ہوسکی ہے اور نہ یگر اشیاء ما ی وغیر ما ی ہی کی حقیقتوں سے واقف ہوسکی ہے۔ لہذا عقل جو پرتو صفت علم ہے جب تک علم (صحیح) سے بہرہ ور نہ ہو عقل تو کہلائے گی لیکن عقل سلیم نہیں کہلائی جاسکی۔ عقل سلیم تو وہی عقل ہوسکی ہے جو حقائق عالم اور خالق عالم کی نسبت جامعیت کا علم رکھتی ہو۔ مجر عقل خو اپنی حقیقت کا علم نہیں رکھتی اور نہ حقائق اشیاء کا بذاتہ علم رکھتی ہے۔ ہاں عقل کو جب خالق عقل کی طرف علم ملتا ہے تو عقل سلیم کہلاتی ہے اور وہ غور وفکر کر کے مادی وغیر مادی اشیاء کا صحیح استعمال کرنے مستفید ہوسکتی ہے اور ان کی مضرتوں اپنے کو محفوظ کرسکتی ہے۔ ایسی عقل سلیم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو ہی ملتی ہے جن کو بزبان مذہب پیغمبر (Prophet) کہتے ہیں۔ ان کی عقل وا راک میں ایسے ایسے خیالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کئے جاتے ہیں جس سے وہ خو باخبر ہوکر وسرے بندوں کو بھی باخبر کرتے ہیں اور ان کی صحیح رہبری Guide کرتے ہیں اس قسم کے خیال کو مذہب اسلام کی اصطلاح میں وحی (نازل شدہ علم حق) کہتے ہیں۔

اس نازل شدہ علم کا پرتو عقل سلیم کہلاتی ہے اور عقل سلیم ہی امن وسلامتی کے راستہ پر چلنے کی رہبری کرسکی ہے جس سے انسانی زندگی کو مصائب اور آلام سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آزا ی یعنی نجات حاصل ہوسکی ہے۔ نجات کا ارومدار توحید الٰہی کے عقیدہ پر ہے۔ بلا عقیدہ توحید کوئی عمل خدا کے پاس مقبول نہیں ہوسکتا۔ پس علم حق کی روشنی میں عقل سلیم انسانیت کی حقیقی رہبر ہوسکی ہے اور یہ عقل سلیم اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے اس کی طرف سے خاص خاص افرا

کو منتخب کر کے ان کو عطا کی جاتی ہے۔ چنانچہ یہی حضرات تمام بنی نوع انسان کے افرا کے عقول کو عقل سلیم بنا کر سیدھا راستہ کھاتے ہیں جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں چنانچہ آ م عایہ السلام سب سے پہلے نبی ہوئے۔ان کی نسبت اسماء کلی کے علم کا تذکرہ مذہب اسلام کی مذہبی کتاب قرآن میں آیا ہے اور اسی وجہ سے ان کو ملائکہ جیسے معصوم اور پاک مخلوق پر فوقیت اور شرافت عطا کی گئی چنانچہ آ م عایہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ عایہ السلام تک انبیاء عایہ السلام آتے رہے اور اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کو سیدھا راستہ بتانے کا کام کرتے رہے اور سب سے آخر میں ایسا برگزیدہ نبی آیا جس پر نبوت کا سلسلہ ختم کر یا جاتا ہے اور ین اسلام کو کامل و مکمل ین کی حیثیت سے پیش کر یا گیا ہے اب ین اسلام کے ماننے والے لوگوں میں جس برگزیدہ بندوں کو منتخب کر کے موجو ہ ور میں بھیجا جاتا ہے ان کو اولیاء اللہ کہتے ہیں۔

یہ لوگ خو عقل سلیم رکھتے ہیں اور وسروں کو عقل سلیم پیدا کرنے کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔اس مسلک کے لوگوں کو صوفی بھی کہتے ہیں اور ان کے مسلک یا فن کو تصوف کہتے ہیں اور بزبان قرآن اسی کو حکمت سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ **وَمَنْ یُوتَی الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوتِی کثِیراً** انبیاء عایہ السلام اپنے ساتھ اللہ کی اجمالی بات یعنی کلمہ طیبہ لائے جس کی تفصیل اور توضیح میں قرآن کے تین پارے نازل ہوئے ہیں اب اس عقل سلیم کی تعلیم و تربیت انھیں جیسے لوگوں سے ین (ھرم) کے معیار پر پوری اترنے والی کتاب کے ذریعہ تربیت حاصل کر کے علم صحیح کا حصول ممکن ہوسکتا ہے۔اب نبوت کے علوم کو آسمانی کتاب کی روشنی میں حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن یگر مذاہب کی نازل شدہ آسمانی کتب اپنی اصلیت کے ساتھ باقی نہیں رہیں۔صرف قرآن ہی ایک ایسی آسمانی کتاب ہے کہ جس میں الفاظ تو الفاظ رہے، کسی زیر زبر پیش کی تحریف وتبدیل کے بغیر حافظوں کے ذہن میں اور قرآن کی جلدوں میں کتابی شکل میں محفوظ ہیں اور بالکل اپنی اصل عبارت کے ساتھ باقی وموجو ہے جس میں رنگ و نسل، خاندانی شراف و پنچایت کو معیار انسانیت نہیں بتایا گیا ہے بلکہ اصل معیار ایمان و تقویٰ بتا یا گیا ہے۔جس

سے عقل انسانی مزین ہو کر عقل سلیم کے مقام پر فائز ہوتی ہے۔ انسانیت کے لئے اعلی جوہر انسانیت یہی عقل سلیم ثابت ہو سکتی ہے جس کی بناء پر انسان فرشتوں پر شرافت اور بزرگی رکھتا ہے اس مجلس میں کاوس جی نامی ایک پارسی عالم بھی موجو انہوں نے اعترافاً فرمایا کہ جس طرح مقرر صاحب نے عقل سلیم کے عنوان اور اس کے معیار پر روشنی ڈالی۔ اب تک اس نوعیت کی بنیا پر تقریر سننے میں نہ آئی۔ بہر حال حضرت قبلہ کا اسلوب بیان کچھ ایسا لچسپ تھا کہ حاضرین جلسہ ہمہ تن گوش ہو کر از اول تا آخر تقریر سنتے رہے اور اس طرح ان کے قلوب پر اسلام اور اس کے علوم نیز اسلامی تصوف کی اہمیت واضح اور ل نشین ہوئی۔

حرف آخر:

ان تمام واقعات کی روشنی میں قارئین کرام بطور خو حضرت قبلہ پیر و مرشد کنز العرفان ابوالایقان غوث علی صاحب المعروف بہ غوثی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے مقام عالی کار اور اوصاف حمیدہ کا بخوبی اندازہ قائم فرما سکتے ہیں۔ فقیر خا کپائے آنحضرت کی بھلا کیا مجال کہ ایسی با کمال اور با عظمت ہستی کے اوصاف حمیدہ و اخلاص پسندیدہ کو کما حقہ سپر قلم کر سکے بقول کہ عطر آنست کہ خو بیویدنہ کہ عطار گوید" البتہ فقیر کے خیال اور جذبہ عقیدت کی روشنی میں فی زمانہ جس کو قحط الرجال کے نام سے موصوم کرنا زیا وموزوں ہوگا نہ اس انداز کا اور نہ اس ا اکا کوئی وسرا شخص ملا اور نہ ہی نظر ہی آ سکا۔ جو عرفان کا خزینہ اور حقائق و معارف کا فینہ اپنی ذات میں مخفی رکھتا ہو اور ان جوہروں کو بے غیل وغش یا علانیہ بلا تخصیص عام وخاص عرفان وحقائق کے موتی لٹانے سے رلیغ نہ کرتا ہے اور جس کا فیضان ہر عالم و جاہل کو یکساں فیضیاب کرتا ہو۔ کون کیسا ہے؟ کس کو کیا ملا اس سے قطع نظر کر کے خو اپنے کو فقیر وحقیر اور ظلوم وجہول پائے ہوئے جب احساس کی نظر جائزہ لیتا ہے تو اس نعمت عظمٰی کو مالا مال پاتا ہے۔ تہدستی اور تنگ امانی سے صرف نظر کر کے بجائے گلہ یا شکوہ کے تحدیث نعمت کے کلمات زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔

الحمداللہ ثم الحمداللہ رب العالمین

حضرت قبلہ کی نظر کیمیاء اثر نے ذرہ کو ضیاء بخشی اور قطرہ کو دریا بنا یا اب تو نظر میں کوئی دوسرا نہیں سماتا ہے۔ بقول حضرت مرشدی

کوئی نظر میں اب نہیں بھاتا اپنا نقشہ جما گیا کوئی

حضرت شاہ خاموش صاحب کا یہ شعر بھی اپنا کیف ہر آن طاری رکھتا ہے

فیض بخشی کی ہے کیاں شان تیرے کوچہ میں
مور بن جائے سلیماں تیرے کوچہ میں

حافظ علیہ الرحمتہ کا یہ شعر قالاً نہیں بلکہ حالاً کیف آور ثابت ہوتا ہے

حافظ جناب پیر مغاں جائے دولت است
من ترک خاک بوسی این در نمی کنم

حضرت مرشدی و مولائی کی آخری زمانہ کی غزل کا مقطع بھی بالکل صادق و مصدق پاتا ہے۔

کون ہے غوثی سا یوں ہوں گے بہت ہاں میاں اک مر کامل ہے یہی

حاصل کلام آخر میں اس بات کو سرمایہ ناز تصور کرتا ہوں

اے خاک در گہے تو جبیں نیاز ما قربان یک نگاہ تو عمر دراز ما

شراب عشق و عرفان کی مستی ہر آن ایک کیف پیدا کرتی ہے اور مولانا روم کا یہ شعر

شاد باش اے عشق سوائے ما دوائے طبیب جملہ علت ہائے ما

شہو دیافت کا اصل سرچشمہ اور منبع پیش نظر ہے اس کا در ہے اور اپنا سر ہے

فقط والسلام مع الاکرام

راقم الحروف

الفقیر الی اللہ سید واجد علی شاہ چشتی قادری

خوارق (کرامات)

۱) چاندبی مرحومہ مریدنی اس نے قیام مدینہ طیبہ میں روضہ اطہر کے قریب حضرت قبلہ کو عالم واقعہ میں یکھا۔

۲) علی بخش قوال جب بغدا کے سفر کر جار ہے تو حضرت قبلہ سے اپنے جانے کے ارا ے کو ظاہر فرمایا۔ حضرت قبلہ نے سلام عرض کرنے کے لئے ان سے فرمائش کی جب وہ وہاں پہنچے تو روضہ اقدس کے پاس حضرت قبلہ کو یکھا۔

۳) پولس ایکشن کے واقعہ سے قبل عید الفطر کے موقع پر مسجد بیگم بازار میں عید کے خطبہ سے قبل حضور نے وران تقریر فرمایا تھا کہ اب تلوار قبضہ سے باہر کھینچ کر آ گئی ہے سب لوگ رجوع اِلی اللہ ہو جاؤ تا کہ محفوظ رہو۔

۴) پولس ایکشن سے قبل حضور انور اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہرؐ سے گندلا پانی زور سے جاری ہوا جس میں حضور اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ بآسانی پار ہو گئے۔

۵) ۲۳ رمضان المبارک کو پولس ایکشن ۱۹۴۸ء سے قبل حضور نے خواب یکھا کہ گھوڑوں کی وضع کے ہوائی جہاز ہیں جنہوں نے شیر پر حملہ کیا ہے۔ گھوڑے پر جو سوار ہیں ان کے سروں پر لال پگڑیاں ہیں ان میں سے چند نے حضور کو سلام بھی کیا اس سے یہ تعبیر ملی کہ حیدر آبا شہر تو محفوظ رہ گیا لیکن اطراف و اکناف کے اضلاع و مقامات پولس ایکشن سے متاثر ہوں گے۔

ختم شد

تذکرۂ بزرگان ثلاثہ (سلسلۂ غوثیہ کمالیہ)

قطب الاقطاب حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ

☆ حضرت سید سلطان محمد اللہ شاہ حسینیؒ

☆ حضرت سید کمال اللہ المعروف سیدی مچھلی والے شاہؒ

حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ مشہور سخی حاتم طائی کے فرزند صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ الحاتمی الطائی اندلیسی کو اولاد سے ہیں اور حضرت سیدنا غوث الاعظم پیران پیر دستگیرؒ کی اولاد معنوی کہلاتے ہیں اور حضرت غوث اعظمؒ نے آپ کو گود میں لے کر آپ کے شاندار مستقبل کی بشارت دی اور دعاؤں سے نوازا۔ چنانچہ آپ توحید وتصوف کے امام سمجھے جاتے ہیں۔ آپ نے قرآن کی تفسیر، تفسیر کبیر لکھی جس کی ۹۰۰ جلدیں ہیں جو صرف پندرہ پاروں کی حد تک ہے اور فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، مواقع النجوم، رسالہ وجودیہ، کبریت احمر وغیرہ آپ کی کتابیں بہت مشہور ہیں۔ آپ کی تاریخ وفات ۱۲۴۵ء مطابق ۲۸ ربیع الثانی ۶۳۸ھ ہے۔ آپ کا مزار ملک شام کے صدر مقام دمشق کے محلہ ''صالحیہ'' جبل قاسیون پر واقع ہے جس کو سلجوقی بادشاہ نے بنوایا۔ الحاج حضرت سیدی غوثی شاہ صاحبؒ جنھیں پہلے اپنے والد الحاج حضرت سیدی کریم اللہ شاہؒ (متوفی ۱۳۳۱ھ م ۱۹۱۳ء) سے بعیت وخلافت وجانشینی حاصل تھی۔ ۲۳۔۲۴ سال کی عمر مبارک میں آپ کو حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ سے روحانی فیض بذریعہ خواب حاصل ہوا۔ اس طرح (آج سے ۸۴ سال پہلے) عرس شیخ اکبرؒ کی بنیاد پڑی اور آپ ہندوستان کی سرزمین پر شیخ اکبرؒ کی تعلیمات وحدۃ الوجود کے امام اور پیشواء بن گئے۔ ہر سال اپنے والد حضرت سیدی کریم اللہ شاہ صاحب قبلہؒ کے عرس کے ساتھ حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ کا عرس بھی کیا کرتے اور اس وقت آپ کے ابتداء چار خلفاء بھی تھے اس کے بعد پھر ایک غیبی ہدایت پر دکن کے مشہور صوفی بزرگ شمس العارفین حضرت سید کمال اللہ شاہ المعروف سیدنا مچھلی والے شاہ علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء) کے دست حق پرست پر شرف بیعت وخلافت سے مشرف ہوئے پھر حضرت کے پردہ فرمانے کے بعد بہ منشائے حضرت مچھلی والے شاہؒ حضرت غوثی شاہ

صاحبؒ ہی آپ کے سجادہ نشین ہوئے اور تادم حیات حضرت مچھلی والے شاہ صاحب قبلہؒ کا عرس اور حضرت سید سلطان محمود اللہ شاہ حسینی صاحب قبلہؒ (متوفی ۱۳۱۱ھ م ۱۸۹۴ء) کا عرس اور حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ کا عرس بھی ساتھ ملا کر کیا کرتے تھے۔ حضرت غوثی شاہ صاحب قبلہؒ کے ۱۹۵۴ء میں پردہ فرمانے کے بعد ان کے فرزند خلیفہ و جانشین الحاج حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب قبلہؒ اپنی نگرانی میں ان تین متذکرہ بزرگوں کا عرس ہر سال تادم حیات ۱۹۷۹ء تک کرتے رہے پھر حضرت صحوی شاہ صاحب قبلہؒ کے (موجودہ قائم مقام) فرزند خلیفہ و جانشین الحاج مولانا غوثوی شاہ ان تین متذکرہ بزرگوں کا عرس مقرر کردہ تاریخ کے مطابق پابندی کے ساتھ آج مسلسل ۲۲ سال سے اپنی نگرانی میں کرتے آرہے ہیں اور اس عرس کے علاوہ ہر سال ۴ شوال کو حضرت سیدی غوثی شاہ صاحب قبلہؒ کا عرس اور ہر سال ۱۸ جمادی الثانی کو اپنے والد حضرت پیر صحوی شاہ علیہ الرحمہ کا عرس حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نام کی شرکت کے ساتھ مناتے آرہے ہیں۔ ☆ حضرت سیدنا سلطان محمود اللہ شاہ صاحب قبلہؒ کا مزار واقع تکیہ منا میاں قبرستان، عقب دواخانہ عثمانیہ مرجع خلائق ہے جہاں مولانا غوثی شاہ صاحب نے ایک صاحبِ خیر کے حُسنِ تعاون سے اب ایک خوبصورت سنگ مرمر کی مزار کے ساتھ اس کے اطراف میں خوبصورت جالی بھی لگوادی ہے۔ ☆ حضرت سیدی مچھلی والے شاہ رحمتہ اللہ علیہ کا مزار آپ کی بنائی ہوئی خانقاہ سرائے الہی، الہی چمن کاچی گوڑہ کے قبرستان میں زیارت گاہِ خلائق ہے جہاں اب مولانا غوثوی شاہ نے اپنے ذاتی صرفہ سے گنبد کی تعمیر کی ہے۔ ☆ حضرت غوثی شاہ صاحب قبلہؒ کا مزار آپ کے والد کی مسجد، مسجد کریم اللہ شاہؒ 15-6-348 بیگم بازار میں واقع ہے۔ جہاں الحاج حضرت سیدی کریم اللہ شاہؒ اور الحاج حضرت مولانا صحوی شاہ صاحب قبلہؒ بھی آرام فرما ہیں۔ ان تمام متذکرہ درگاہوں کے ازروئے قانون وازروئے شریعت مولانا غوثوی شاہ ہی سجادہ نشین ہیں جن کے ذریعہ نہ صرف شہر حیدرآباد بلکہ سارا ہندوستان علم توحید و تصوف کی فیض رسانی سے مالا مال ہو رہا ہے اور اہل سنت الجماعت کے عقائد کے پھیلاؤ کا صحیح معنوں میں۔ اعتدال پسند انداز میں بڑی خوبی و بیباکی سے کام انجام دیا جارہا ہے۔